اجتہاد کے جلوے

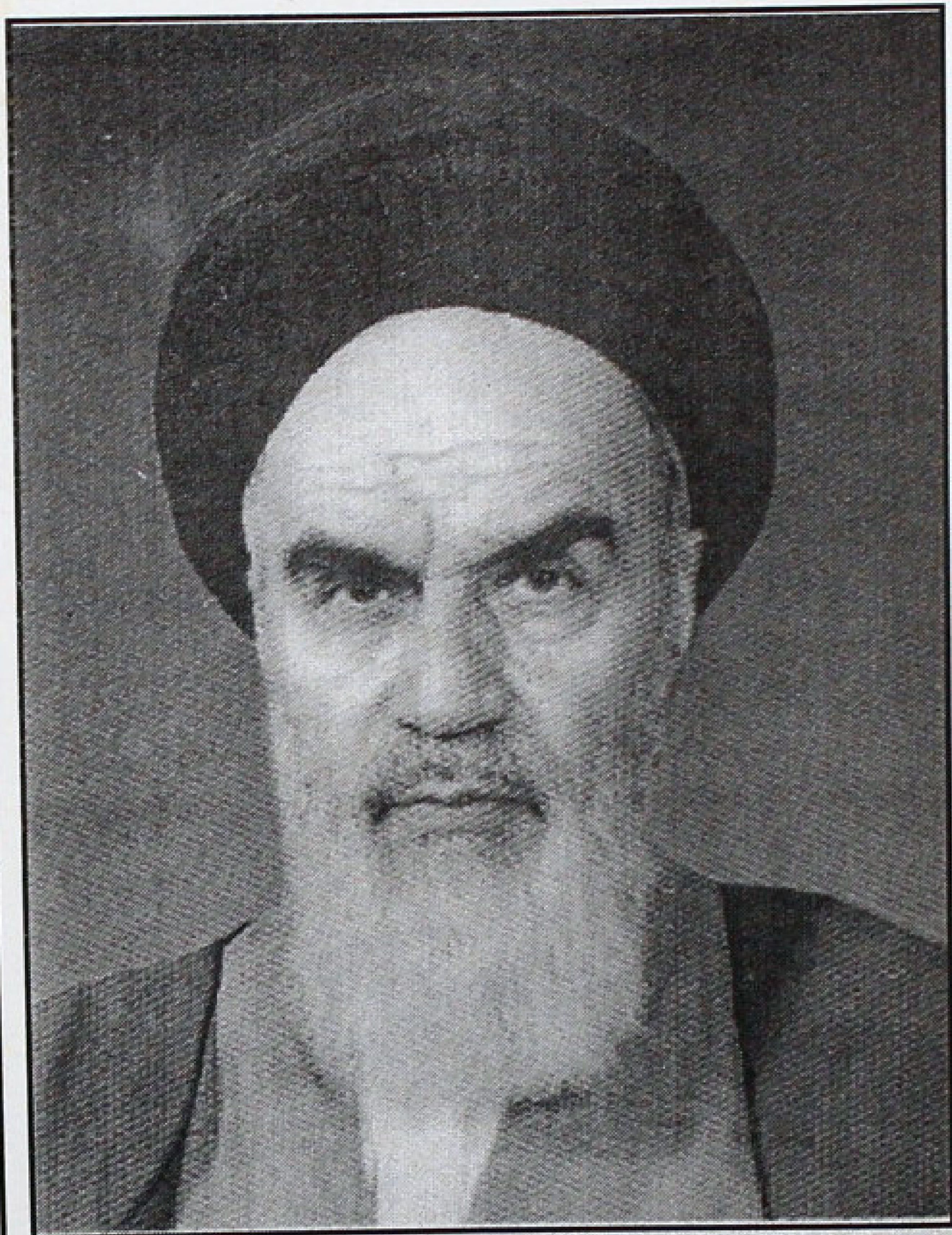
مؤلف

زاہد علی ہندی

ناشر

حوزۂ علمیہ بقیۃ اللہؑ نیو بازار، جلالپور

ضلع امبیڈکر نگر (یو. پی) انڈیا. پن کوڈ: ۲۲۴۱۴۹ فون نمبر 64086 (05275)



رہبر کبیر انقلاب اسلامی

حضرت آیت اللہ العظمیٰ امام خمینی نور اللہ مرقدہ

اجتہاد کے جلوے

مؤلف:

زاہد علی ہندی

ناشر: حوزہ علمیہ بقیۃ اللہ جلالپور

تعارف

نام کتاب : اجتہاد کے جلوے
مؤلف : زاہد علی ہندی
ناشر : حوزۂ علمیہ بقیۃ اللہؑ نیو بازار جلالپور
اشاعت اوّل : ۱۴۲۳ھ
تعداد : ایک ہزار
قیمت : پچاس روپیہ Rs. 50

ملنے کا پتہ

حوزۂ علمیہ بقیۃ اللہؑ نیو بازار جلالپور، امبیڈکر نگر
(یوپی) ہند. پن کوڈ نمبر ۲۲۴۱۴۹ فون : ۶۴۰۸۶-۰۵۲۷۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

خالق مدرسۂ اجتہاد، مصحف ناطق، حضرت امام جعفر صادق اور ان کے نائب بر حق حضرت بقیۃ اللہ الاعظم "ارواحنا لہ الفداء" نیز دیگر آیات عظام بالخصوص حکومت اسلامی کے بانی حضرت امام خمینیؒ کے نام جنھوں نے قوموں کو سامراجی سازشوں سے نجات دلائی اور حریت و آزادی کے ساتھ جینے کا سلیقہ سکھایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مؤلف

ابتداء تعلیم سے ہی علمی خدمات کا جذبہ ذہن میں کروٹیں لے رہا تھا کہ حسن اتفاق سے اب جبکہ بعض مومنین، عزیز طلاب اور افاضل نے اجتہاد سے متعلق سوالات کیئے تو میرا سویا ہوا جذبہ مچل پڑا۔

چونکہ بیسویں صدی کے اختتام پر حضرت امام خمینی ؒ کی قیادت میں ایک ایسا یادگاری انقلاب رونما ہوا جسکی مثال تاریخ عالم میں کم ملتی ہے اس انقلاب سے جہاں شرق و غرب کے سامراج حیرت زدہ تھے، وہیں عالم اسلام بھی متحیر تھا چونکہ اسلامی تعلیمات اس انقلاب کی مرہون منت تھی لہذا قرآن وسنت کو بنیاد بنا کر اسلامی جمہوریت کا اعلان ہوتے ہی ہر خاص وعام کی نظر ایران کے اسلامی انقلاب پر جم گئی۔ ساتھ ہی سوالات کا سلسلہ شروع ہو گیا کہ:

کیا اجتہاد کی اجازت شریعت نے دی ہے، اگر دی ہے تو مجتہد کی پیروی کس حد تک جائز ہے، آیا منصب قضاوت کے ساتھ حکومت اور ولایت کا بھی حق ان فقہاء کو حاصل ہے؟

ان تمام باتوں کے پیش نظر میں نے ضروری سمجھا کہ ایک ایسے موضوع پر قلم اٹھایا

جائے جو اس طرح کے سوالات کا جواب دہ ہو سکے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عہد حاضر کی بڑھتی ہوئی ہمہ گیر ضرورت کے تحت قرآنی آئینے میں معاشرے کے تمام تقاضوں کا حل ہونا چاہئے تاکہ انسانی مقصد حیات ہر سماج میں پنپ کر اپنے کمال تک پہونچ سکے۔

اس علمی اور حیاتی ارتقاء کے میدان میں ہمیں تنہا نہیں چھوڑا گیا ہے بلکہ قرآن جیسی تھیوری کے ساتھ اس کے مخصوص معلموں کو بھی بھیجا تاکہ اسلام کی فکر پر بیرونی اثر و رسوخ کی چھاپ نہ پڑ سکے۔

غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اجتہاد، مرجعیت، قضاوت، امارت اور ولایت ہی انسانی سماج کو درجہ کمال تک پہونچانے کا سلسلہ وار زینہ ہے۔ شرعی و عقلی دلیلیں ان کا ستون ہیں، نیز اسی تعلیم پر مبنی قوانین پر عمل کرنا منزل مقصود تک پہونچنے کا راستہ ہے، اس کتاب میں اجتہاد، مرجعیت، قضاوت، ولایت اور وہ مقدس مقام جہاں پر ان سب کو نشو ونما ملتی ہے "یعنی مدرسہ کا ذکر" قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے، لہٰذا اس عالم لایزال سے آرزومند ہوں کہ اپنے علم کے ترجمان اہل بیت علیہم السلام کی راہ پر باقی رکھ کر نشر علوم کی توفیق عنایت فرمائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم ومغفور جناب والد ابوالحسن اعلی اللہ مقامہ دیگر اقرباء، اساتذہ، احباء جن کا مجھ پر کوئی حق بنتا ہے اور وہ دنیا سے کوچ کر گئے ہیں، اہل بیتؑ کے صدقہ میں مغفرت فرمائے اور ان اساتید اور دوستوں کا شکر گزار ہوں جنھوں نے کسی طرح سے بھی میری مدد فرمائی ہے خاص طور سے "زہراءؑ اکادمی" کے سرپرست آیۃ اللہ سید حسین مرتضی نقوی، حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ شبیر حسن میثمی اور جملہ اراکین نیز مہربان رہنما جناب حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ شیخ سامی الغریری کا کہ جنھوں نے اسلامی تحقیقات کے

سلسلہ میں میرے افکار وخیالات کو ایک نئی جلا بخشی ہے۔

خدایا! ان تمام حضرات کی توفیقات میں اضافہ اور تمام اہل علم حضرات کو مزید علم وعمل کی توفیق عطا فرما۔ آمین یا رب العالمین بحق محمد و آله الطاهرين۔

والسلام علیکم و رحمة الله و برکاته

زاهد علی (عفی اللہ عنہ) ۱۴۲۲ھ

" تقریظ "

ظهیر الاسلام مولانا حسن مهدی واعظ
پرنسپل حوزه علمیه بقیة الله جلال پور

" الحمدلله رب العالمین والصلاة والسلام علی محمد و آله الطاهرین"

" انا علینا للهدی وانالنا للآخرة والاولی "

خالق کائنات کا یہ اعلان ہے کہ ہدایت کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے اور دنیا و آخرت کا اختیار ہمارے ہی ہاتھوں میں ہے اسی لئے قدرت نے ہر دور میں ایک ہادی ورہنما کا انتظام کیا یہ غیر ممکن ہے کہ کوئی بھی دور بغیر ہادی ورہنما کے ہو۔ علماء اسلام نے غیبت صغریٰ کے اختتام تک ائمہ طاہرین علیہم السلام سے کسب فیض کیا اور جب انسداد باب علم ہو گیا تو دور جدید کے نئے مسائل کے لئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن بحمد اللہ آج فقہاء شیعہ وارث حضرت شبیر کے سایہ عاطفت میں رہکر ادلہ اربعہ کی روشنی میں احکام اسلام کا عملی جامہ پہنا رہے ہیں۔

اجتہاد وتقلید کیا ہے؟ ایک مہم ترین قانون اسلامی ہے جس سے اخلاق الٰہی اور استقلال نظام اسلامی وابستہ ہے فقہاء نے اپنی مکمل جد و جہد کے ساتھ مکتب اسلام کو فروغ

دیگر سیاست وفکر وعقیدہ کا تحفظ کیا اس کے علاوہ تمام الزامات دینی کا اسی اجتہاد کے ذریعہ مثبت جواب دیکر تمام شبہات کو دور کر کے دور مستقبل کو روشن و منور کر دیا۔ علماء پر تہمت بھی لگائی گئی لیکن نتیجہ یہی نکلا کہ

"الاسلام یعلو ولا یعلی علیه"

مختصر یہ ہے کہ اسلام کا تحفظ اور ملت حق کی بقا اسی عظیم الشان مسئلہ پر موقوف ہے فقہاء علماء ہمیشہ دین کے فروغ کے لئے منہمک رہے ہیں اور آج بھی بڑے انہماک سے دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، انھیں خدمت گذاران اسلام میں قابل صد تحسین ہیں برادر عزیز حجۃ الاسلام مولانا زاہد علی صاحب "مقیم حوزہ علمیہ قم ایران" جنھوں نے ادلہ اربعہ کی روشنی میں ایک جامع کتاب موسوم بہ "اجتہاد کے جلوے" تالیف کر کے اجہاد، تقلید، مرجعیت، ولایت، قضاوت جیسے اہم اور کار آمد موضوعات سے بزبان اردو اپنے مخصوص انداز میں قوم کو روشناس کرایا ہے یوں تو عربی اور فارسی زبان میں مذکورہ موضوعات پر کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن اردو زبان میں نہ ہونے کے باعث بہر حال ایک کمی محسوس ہو رہی تھی جسے بحمد اللہ برادر موصوف نے اپنی بہت سی مصروفیات کے باوجود پوری کر دی۔ بصد خلوص ہماری یہی دعا ہے کہ خداوند کریم بطفیل محمد وآل محمد علیہم السلام برادر موصوف کی علمی کاوش کو قبول فرمائے اور ایمان افروز کتاب "اجتہاد کے جلوے" اہل ایمان کے فانوس دل میں شمع حقیقت بن کر سما جائے۔ آمین۔

اگر مومنین کرام نے حوصلہ افزائی فرمائی تو انشاء اللہ مولانا موصوف دیگر اہم اور نایاب موضوعات کے میدان میں جہاد بالقلم کرتے رہیں گے۔

مولانا موصوف کے تعارف کے سلسلہ میں صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ دوران تحصیل علم دین کتاب کی تالیف وتصنیف کے ساتھ ساتھ جلال پور میں ایک عظیم الشان دینی

درسگاہ بنام "حوزہ علمیہ بقیۃ اللہ" کی تاسیس بھی کی ہے جس میں ایران اور ہند کے فارغ التحصیل علماء کرام درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور علوم آل محمد علیہم السلام سے طلاب مالامال ہورہے ہیں خداوند بطفیل امام زمان علیہ السلام برادر موصوف کو جملہ آفات و بلیات ارضی وسماوی سے محفوظ ومصون رکھے اور بذریعہ زبان وقلم دینی خدمات انجام دینے کی توفیق عنایت فرمائے۔آمین

طالب دعا۔حسن مہدی صدر الافاضل واعظ

۲۰ذی قعدہ ۱۴۲۲ھ

ناجایز تقلید

ناجایز تقلید کا مطلب ماحول ومعاشرہ کی اندھی تقلید ہے۔

﴿ انا وجدنا آبائنا علی امۃ وانا علی آثارھم مقتدون ﴾ (١)

ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پہ پایا اور ہم بھی انھیں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

لہذا اب اگر کوئی کسی مرجع کے آستانہ پر سر جھکائے، خود کو اس کے حوالہ کردے یہ درست نہیں، اسلام نے ایسی تقلید کا حکم دیا ہے جو تفویض کرنا نہیں بلکہ آنکھ کھولنا کھلانا ہے۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ مذہب میں علم وکردار کی تقلید ہے نہ کہ شخصیت اور افراد کی۔

اصول دین میں بھی تقلید جایز نہیں کیونکہ اصول کو جاننے کے لیے قرآن اور حدیث اور عقلی دلیلوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو شخص اعتقادی مسائل میں کسی کی تقلید کرتا ہے وہ درحقیقت جاہل ہے اور جاہل کی طرف رجوع کررہا ہے جس سے ہمیں بہرحال منع کیا گیا ہے (٢) اسی طرح ایک مرجع جسمیں ضروری شرائط نہ پائے جائیں، اس کی تقلید بھی جایز نہیں ہے مثال کے طور پر عادل نہ ہونا وغیرہ۔

اسی طرح متجزی (جو ابواب فقہ میں کسی ایک باب میں مجتہد ہو) مجتہد کی بھی تقلید جایز نہیں ہے۔ نیز جو شخص مجتہد تو ہو اور شرائط تقلید بھی رکھتا ہو لیکن آداب اسلامی کا پابند نہ ہو یا خلاف مروّت کام انجام دیتا ہو تو ایسے مجتہد کی بھی تقلید جایز نہیں ہے۔ ایک اور خاص بات یہ ہے کہ فقیہ اپنی جانب سے یہ حکم نہیں دیتا کہ قوم اسی کی تقلید کرے بلکہ یہ تو عقلی وشرعی دلیلوں

کی روشنی میں لوگ اپنے دینی مسائل میں جس مجتہد کو اعلم، ماہر فن ہونے کی حیثیت سے یقین کر لیتے ہیں اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

....

۱) زخرف / ۲۳

۲) دائرة المعارف الاسلاميه الشيعه ج ۶ ص ۳۳۔

باب سوم

ولایت

﴿یا ایها الذین آمنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شيء فردُّوهُ الی الله والرسول﴾ (۱)

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور تم میں سے جو صاحبان امر ہیں، پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔

(حق سے منشعب ہونے والی ہر سچی اور منصفانہ ولایت، ولایت خدا ھے)

....

۱) سورہ نساء ۵۹

ولایت فقیہ

ولایت فقیہ کا مفہوم امتداد زمانہ کے ساتھ مختلف لفظوں سے جانا گیا مثال کے طور پر حاکم شرع، مجتہد جامع الشرائط، اعلم، نائب امام یا مرجع۔ اس کے اثبات واقتضاء پر دلیلیں موجود ہیں ان میں سب سے اہم دلیل عقل ہے، امام خمینیؒ کے بقول وہ ساری دلیلیں جو امامت کی ضرورت پر دلالت کرتی ہیں وہی عصر غیبت میں ولایت فقیہ پر بھی دلالت کرتی ہے۔

﴿ نهاية ابن اثير ،وفی اسمائه عزوجل : الوالی : هوالناصر، قيل: المتولی لامور العالم والخلائق القائم بها۔ومن اسمائه عزوجل الوالی هوالمالك للاشياء جميعها المتصرف بها ﴾

خداوند عالم کا نام والی وناصر ہے، جس کے دم سے تمام کائنات قائم ہے۔ اور اس کا والی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام چیزوں کا مالک ہے اور وہی ان پہ حق تصرف رکھتا ہے۔

ولایت:

حکومت، امارت اور بادشاہی کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے قرآن مجید میں ولایت کو اولیٰ بالتصرف کے معنی میں استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

﴿ الست اولیٰ بكم من انفسكم ، قالو بلیٰ ... ﴾

ولایت کی اصل (وَلِی) یعنی قرب، نزدیک سے ہے(۱) لہذا قربت اور مودت میں بھی استعمال ہوا ہے اس کے علاوہ (امیر) کے لیے لفظ والی استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ حکومت وامارت پر تسلط وگرفت پالیتا ہے اور دیگر لوگوں میں حاکم وقت سب سے زیادہ نزدیک شمار کیا جاتا ہے۔

﴿ ولاه الامر ای جعله والیاعلیه ﴾

اسکو لوگوں پر سرپرست، حاکم اور ولی بنایا(۲)

﴿ فقد جعل الله سبحانه لی علیکم حقاً بولایة امرکم ﴾

بلاشبہہ اللہ سبحانہ نے مجھے تمھارے امور پر ولایت کا حق دیا ہے (۳)

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ والله ماکانت لی فی الخلافة رغبة ولافی الولایة اربة ﴾

خدا کی قسم مجھے خلافت سے نہ کوئی رغبت ہے اور نہ ہی حکومت کی کوئی حاجت ہے(۴)

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ فقہاء شیعہ غیبت امام زمان علیہ السلام میں آپ کی طرف سے عمومی نیابت کے حامل ہیں یہی وجہ ہیکہ وہ تعلیم وتربیت اور تالیف کتب فقہ وحدیث وکلام وغیرہ میں اہتمام کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ امام وقت سے بے نیاز نہیں۔ ہمارے چھٹے امام کے زمانہ میں ہی اصول اربعہ مائۃ کے عنوان سے تالیف ہو چکی تھی نیز آٹھویں امام کے زمانہ میں کتب جوامع حدیث مثل جامع حسنین فرزندان شیعہ ابن مہران جامع بزنطی جامع سعد ابن عبداللہ اشعری تالیف ہوئی۔ نیز اسی طرح غیبت صغریٰ میں جامع کتاب (اصول کافی) علامہ کلینی نے جمع فرمائی بہر حال علماء وفقہاء شیعہ نے اس قدر اصول وقوانین جمع کیے کہ مسائل فرعی میں امام کی غیبت کبریٰ کوئی مانع نہ ہوئی یہی وجہ ہے کہ امام

علیہ السلام نے اسحاق بن یعقوب کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا :

﴿ واماالحوادث الواقعة فارجعوافیهاالی رواة احادیثنا...... ﴾

اور نئے رونما ہونے والے مسائل میں ہمارے فقہاء کی طرف رجوع کرو

عمید الشیعہ ابوعبداللہ محمد بن محمد بن نعمان بغدادی ''شیخ مفید'' (م ۴۱۳ھ) فرماتے ہیں: اسلام کا انتظامی احکام اور حدود کا اجرا، سلطان کا وظیفہ ہے جو خدا کی طرف سے اس منصب پر فائز ہوتا ہے۔ سلطان سے مراد ائمہ آل محمد مصطفیٰ (ص) ہیں اور ان کی طرف سے جو افراد منصوب ہوتے ہیں وہ مراد ہیں۔ اس طرح ائمہ نے بھی یہ امر فقہاء شیعہ کو سپرد کیا ہے تاکہ حتی الامکان حدود اسلامی کو عملی جامہ پہنایا جاسکے۔ (۵)

یعنی احکام، حدود، قضاء، تعزیرات وغیرہ جو کہ در اصل خود امام کی ذمہ داری ہے یا امام جن کو منصوب کریں اس کی ذمہ داری ہے زمانہ غیبت میں یہی حق ہمارے شیعہ فقہاء کو حاصل ہے۔ علامہ حلی (م ۷۷۱) نے قواعد میں، شہید اول (۷۸۶ھ) نے دروس میں اسی طرح کی عبارت کو ذکر کیا ہے جو ایک فقیہ کی ولایت کے اثبات میں ہے، صاحب جواہر نقل کرتے ہیں :

﴿ اتفق اصحابنا علی ان الفقیه العادل الامین الجامع الشرائط الفتویٰ ،المعبر عنه بالمجتهد فی الاحکام الشرعية ، نائب من قبل ائمة الهدیٰ علیهم السلام فی حال الغیبة فی جمیع ما...... ﴾

فقہاء شیعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایک فقیہ عادل امین مجتہد جامع الشرائط امام معصوم علیہ السلام کی جانب سے نیابت رکھتا ہے آگے فرماتے ہیں:

﴿ بل لولا عموم الولایةلبقی کثیرمن الامور المتعلقه بشیعتهم معطلة ﴾

اگر ولایت فقیہ میں اتنی وسعت اور عمومیت نہ ہوتی تو بہت سے امور شیعوں سے

متعلق معطل ہوکر رہ جاتے۔

﴿ فمن الغريب وسوسة بعض الناس فى ذالك ،بل كانه ماذاق من طعم الفقه شيئًا ولا فهم من لحن قولهم ورموزهم امرا ، ولاتامل المراد من قولهم "انى جعلته عليكم حاكما ،قاضيا ،وحجة وخليفة" ونحوذالك ممايظهر منه ارادة نظم زمان الغيبةلشيعتهم فى كثير من الامورالراجعة اليهم۔ ولذاجزم (سلار) فى الراسم تفويضهم عليهم السلام لهم فى ذالك﴾ (٦)

بڑی تعجب آور بات ہے کہ اتنی ساری عقلی وشرعی دلیلوں کے باوجود کچھ لوگ شک میں مبتلا ہیں گویا فقہ کی بوان کے دماغ تک نہیں پہنچی ہے یا پھر وہ احادیث معصوین کے اسرار و رموز نہیں سمجھ سکے ہیں اے کاش وہ لوگ امام کے اس قول کو سمجھ لیتے "میں نے انھیں تم پر حاکم قاضی اور خلیفہ بنایا ہے"

اس جیسی عبارتوں سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ امام کی مراد زمانہ غیبت میں شیعوں کے اجتماعی وانفرادی مسائل اوران کے نظام حیات کومنظّم کرنے کی شیعہ فقہاء کی ذمہ داری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب سلار نے یقینی طور پہ فرمایا ہے، شیعوں کے امور کی باگ ڈور ائمہ معصومین نے شیعہ فقہا کے سپرد کر دی ہے چنانچہ شیعہ فقہاء کا اصل موضوع "ولایت فقیہ" میں کوئی اختلاف نہیں اگر اختلاف ہے تواس کی جزئیات میں ہے۔ جیسے امام خمینی (ر) فرماتے ہیں :

﴿ الولاية من الامور الوضعية الاعتبارية العقلائيه ﴾ (٧)

ولایت ایک وضعی، اعتباری اور عقلی امر ہے۔

غرض کہ ولایت جو کہ امام کی نیابت عامہ ہے زمانہ غیبت میں فقیہ عادل انجام دینے پر مامور ہے۔ جیسے حدود، لاوارث کی دیکھ ریکھ وغیرہ۔ اسی مقدار وکیفیت کے ساتھ

جیسا کہ قرآن میں حکم دیا گیا ہے۔ رہ گیا فقہ کی کتاب، لمعہ، مکاسب وغیرہ میں جو بحث ہوئی ہے تو وہ سب فقہ سے متعلق ہے۔ لہذا جن حضرات نے ان کی بحث کو پیش نظر رکھا وہ ولایت فقیہ کو انھیں تمام امور میں محدود جانتے ہیں اور وہ یہ سب سمجھتے ہیں کہ ولایت فقیہ مجورین، لاوارث وغیرہ کے لیے ہی ہے۔ یعنی ولایت فقیہ صرف انھیں سے متعلق ہے اور یہ ہرگز درست نہیں ہے کیونکہ کسی بھی صورت میں شیخ انصاری (رہ) کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ ولایت فقیہ کو صرف انھیں چیزوں میں محدود سمجھتے ہیں۔ بلکہ ولایت فقیہ کا مرتبہ اس سے کہیں بڑھکر ہے شیخ انصاری تو لوگوں کے اموال اور نفوس تک میں فقیہ کی ولایت کے قائل ہیں۔ اسکی تائید خود شیخ انصاری (رہ) نے صاحب جواہر کی بحث کو تصدیق فرما کر واضح کر دی ہے۔ جس سے شیخ کا نظریہ صاف صاف ظاہر ہے کہ وہ ولایت کو ان فقہی مسائل سے بالاتر سمجھتے ہیں۔

....

۱) لغت نامه دهخدا ج۴۲ ص ۲۴۷

۲) ولایت فقیه ۔محمدهادی معرفت ص ۴۰ موئسسه فرهنگی قم

۳) نهج البلاغه ۔ خطبه (۲۱۶)

۴) نهج البلاغه ۔ خطبه (۲۵)

۵) المقنعه ص۸۱۰ / ۸۱۱

۶) جواهر الکلام ۔ج ۲۱ص ۳۹۳ / ۳۹۷

۷) مکاسب محرمه۔ امام خمینی (رہ) ج ۲ ص ۱۶۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"تقریظ"

حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ شبیر حسن میثمی

اللہ تعالی کا احسان ہے کہ اس نے انسان اور انسانی معاشرے کی ہدایت کے لئے مختلف ذرائع استعمال کیۓ تا کہ انسان خلقت کے مقصد کی طرف آگے بڑھ سکے ان ذریعوں میں قرآن مجید، انبیاء عظام اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے علاوہ انسان کا اجتماعی صورت میں زندگی گزارنا ہے اس لئے کہ حیوانوں کے برخلاف انسان اپنی زندگی گزارنے اور تکامل کی طرف آگے بڑھنے کے لئے اجتماعی زندگی کا محتاج ہے اللہ تعالی نے اس اجتماعی زندگی کو نظم دینے کے لئے قوانین مقرر کیۓ تا کہ حیوانی اور انسانی زندگی میں فرق ہو اور انسان ایک خاص نظم وضبط اور اطمینان خاطر کے ساتھ زندگی کے ہدف کی طرف رواں دواں رہے اس سارے نظام کو نظم دینے والے قوانین کا نام اسلام رکھا اور اسے تکامل اور مقصد زندگی کی طرف اپنا پسندیدہ طریقہ قرار دیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا اور رسالت کی میعاد پوری ہونے پر جبکہ انسانیت کو مزید استاد، رہنما کی

ولایت کے جلوے

ولایت:

دین ودنیا کا ایک مستحکم ستون ہے۔اسمیں اُخروی اجر وپاداش کے ساتھ دنیاوی حکومت وقیادت کا ایک مقدس نظام بھی مضمر ہے۔اسی میں کائنات کا وجود مستمر ومستتر ہے۔ یہی ولایت انسانی عزت وعظمت کمال وشرف کا وسیلہ ہے اللہ ورسول کی صحیح معرفت اسی مقام ولایت میں منحصر ہے۔لہذا یہ ولایت اسکی وحدانیت حقانیت کا مظہر ہے کہ نہ فقط بھٹکی ہوئی بشریت کو صراط مستقیم پر کھڑا کر دیتی ہے بلکہ تقدیر الٰہی کو بدل کر نعمت وبرکات کے دروں کو کھول دیتی ہے۔ ولایت وجود وبقاء کائنات کا مرہون منت ہے۔ ولایت نعمتوں کے استمرار کا سبب ہے۔ولایت عذاب وثواب کا حرف حجت ہے۔یہی ولایت اہل اسلام کے ایمان کی پہچان ہے۔ولایت ہی قرآن فہمی کا سامان ہے۔ رسالت والوہیت کی معرفت ولایت کے ذریعہ ہی ممکن ہے، دین ودنیا کی سعادت ولایت کے ذریعہ۔اجر رسالت کا نام ولایت ہے۔ مؤدت ومحبت کا اظہار ولایت ہے۔ سعادت وشقاوت کا معیار ولایت ہے۔ مظہر وحدانیت ولایت ہے۔نزول باران رحمت ولایت کا صدقہ ہے۔خوار ومذلت اور محرومی دامن ولایت کا چھوڑ دینے والے کا نصیب ہے۔غرض حکم قرآن کا نفاذ ولایت ہے۔تبلیغ رسالت کی مہم ولایت ہے۔صبح ومساء کی آمد ولایت سے ہے۔زمین وزمان کا وجود ولایت سے ہے۔قرآنی آیتوں کی محافظت ولایت سے ہے۔

﴿ کلمة الله هی العلیا ﴾ کا مظہر ولایت ہے، آیت اللہ محمد حسین طباطبائی فرماتے ہیں :﴿ الولایة هی الکمال الاخیره من تشریع الشریعة الحقة الالٰهیه ﴾

ولایت انسان کے کمال حقیقی کا آخری درجہ ہے اور اس ولایت کی آخری غرض شریعت خداوندی کی تشریع (اختراع) ہے۔

﴿ هنالك الولایة لله الحق ﴾ (۲)

ولایت اور خاص سرپرستی خدا ہی کے لیے ہے جو برحق ہے۔

﴿ انماولیکم الله ورسوله والذین آمنواالذین یقیمون الصلاة ویوتون الزکاة وهم راکعون ﴾(۳)

اے ایماندارو! تمھارا مالک سرپرست تو بس خدا ہے اور اس کا رسول اور وہ مومنین جو پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکات دیتے ہیں۔

یہ آیت امام علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت پر دلالت کرتی ہے۔

﴿ النبی اولی بالمومنین من انفسهم ﴾ (۴)

نبی تمام مومنین انکے نفس کی بہ نسبت زیادہ اولیٰ ہے

یہ امر بھی حکومت و امارت کے معنی میں دلالت کرتا ہے۔ تفاسیر میں ان آیتوں سے خداوند متعال رسول اکرم اور حضرت علی کی ولایت و سرپرستی مراد ہے۔

....

۱) علامہ محمد حسین طبا طبائی صاحب تفسیر المیزان ۲) س کهف ۴۴

۳) س مائده ۵۵ ۴) س احزاب ۶

ولی فقیہ کے اختیارات

شیعہ فقہاء جنھیں ہر زمانے میں اپنے امام معصوم علیہ السلام کی جانب سے نیابت حاصل تھی، خود امام نے غیبت صغریٰ میں (جبکہ امام براہ راست فقہاء سے ملتے تھے) اپنے چار نمایندوں کو (جو نوابین اربعہ سے معروف ہیں) منتخب کیا تھا۔ کیا امام معصوم دوسرے طریقوں سے مسائل حل نہیں کر سکتے تھے؟ محقق نراقی فرماتے ہیں:

﴿ کل ما کان لنبی فھو للامام۔ الذین ھم سلاطین الانام وحصون الاسلام فیہ الولایۃ وکان لھم فللفقیہ ایضا ذالک الاما اخرجہ الدلیل من اجماع او غیرہ ﴾ (۱)

فقیہ کو بھی امام اور نبی کی طرح لوگوں پہ سلطنت کا حق حاصل ہے۔ مگر وہ دلیل جو اجماع یا نص وغیرہ سے خارج ہو جائے۔ یہاں اجرای احکام سے مراد ہر وہ اختیار ہے جو امام کو حاصل ہوتا ہے۔ فقیہ جامع اشرائط کو بھی حق حاصل ہے تاکہ شریعت کے احکام کا اجراء ہو سکے۔

حضرت امام خمینیؒ نے بھی اسی مفہوم کو یوں بیان کیا ہے۔

﴿ فللفقیہ العادل جمیع، ماللرسول والائمہ علیھم السلام مما یرجع الی الحکومۃ والسیاسۃ ﴾ (۲)

چنانچہ عادل فقیہ کو وہ تمام اختیارات حاصل ہیں جو رسول اور اماموں کے لئے ثابت ہیں انہی اختیار میں سیاست اور حکومت بھی ہے۔

جہاں فقیہ کو احکام کے اجرای اور معاشرہ کی خیر خواہی کے لیے یہ اختیارات حاصل ہیں وہیں پر یہ بات بھی ذہن میں آ جاتی ہے کہ جو مرتبہ فقیہ کو ملا ہے وہ اسکی اپنی سعی و کوشش ہے لیکن امام اور فقیہ میں فرق یہ ہے کہ فقیہ فقھی موضوعات میں ایک ماہر فن ہونے کی حیثیت سے استنباط کرتا ہے جبکہ امام کا علم علم الٰہی اور یقینی ہوتا ہے۔ اگرچہ احکام الٰہی کے اجراء جیسے حدود، قصاص وارث کا حق دلانے میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی ایک فقیہ بھی انجام دے سکتا ہے۔ رہ گیا جب امام کی نیابت ہے تو کم از کم ظاہری صفات وکمال معصوم کا بہر حال حامل ہونا چاہے تا کہ مخصوص شرائط کا پابند ہو سکے اور زنہار پادشاہانہ طرہ امتیاز کا رنگ نہ آ جائے۔ باوجودیکہ فقیہ کا اختیار اعتباری ہے، وہ کسی بھی وقت اپنے سلب شرائط کی بنیاد پر معزول ہو سکتا ہے۔ کیونکہ غیبت کے زمانہ میں جو ولایت تشریعی کا حق ہے وہ ولایت اعتباری ہے ولی فقیہ جو اسلامی معاشرہ کے انتظام وانصرام کا ضامن ہے یعنی ہر ممکن بہتر طریقہ سے اسلامی معاشرہ کو ادارہ کرنے کی سنگین ذمہ داری کے ساتھ معاشرہ کے فروغ اور احکام کے نفاذ کے لئے اسلامی حدود وقیود اور حالات کے دائرے میں اختیار رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جیسے جیسے شروط وحالات سازگار ہوتے جاتے ہیں دائرہ بھی وسیع ہوتا جاتا ہے ورنہ ہزاروں سال سے ولایت فقیہ کا موضوع فقہ کی کتابوں میں صرف بحث کا موضوع بنا رہا اور امت اس امتیاز واہتمام دینی سے محروم رہی چنانچہ اس میں بھی بحث ہوسکتی ہے کہ ولی فقیہ کے اختیارات کے دائرہ کی کوئی حد ہے یا تمام مملکت اسلامی یا ممالک جہانی تک نفوذ رکھتا ہے؟

جواب : اس میں کوئی شک نہیں کہ ولی فقیہ عالمی پیمانہ پہ اثرات رکھتا ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ اپنے پیروکاروں کے مابین زیادہ اثرات رکھتا ہے اور اغیار میں کم۔ گاہے قید وشرائط کے ساتھ اور کبھی مبسوط الید ہوتا ہے۔ نیز موضوعات کے اعتبار سے ولی فقیہ

کا جو دائرہ ہے یعنی جن حدود تک اس کا اختیار ہے اس جگہ یا ملک میں نفاذ مسلم ہے لیکن جن ملکوں میں رسائی نہیں یا موانع ہوں اسکا حکم جدا ہے۔ موضوعات کے مختلف ہونے کی صورت میں (۱) مثلا بندگی کے احکام اسمیں بغیر اختلاف سارے مسلمان ایک حاکم شرع، مجتہد جامع اشرائط کی تقلید کرتے آئے ہیں۔ (۲) معاملات میں بحث یہ ہے کہ کیا قصاص حدود وغیرہ کا اجراء فقیہ ایک ملک یا ایک مقام میں رھکر دوسرے ملکوں یا دوسرے مقامات کے لیے کرسکتا ہے؟ یعنی تمام گوشہ عالم میں برابر کا اختیار رکھتا ہے۔ اس بحث کا خلاصہ کسی ایک نظریہ پر جمع نہیں ہوسکتا مگر یہ کہ ولی فقیہ کی نمایندگی کے ذریعہ کچھ تفریق کے ساتھ اپنے اختیارات کو بروی کار لاسکتا ہے۔ (۳) انتظامی امور میں سیاسی ساخت وبافت کے ذریعہ تا کہ اس مداخلت سے ہویت وعظمت اسلام کی حفاظت ہوسکے۔ اور مقدسات اسلام میں کوئی بیرونی طاقت اثرا نداز نہ ہوسکے۔ مثال کے طور پر عالمی تنظیموں، اقوام متحدہ سے اپنے دینی قومی، انسانی حقوق کی مراعات کا مطالبہ اوران کی ضمانت وغیرہ۔ اسی طرح احکام ثانویہ یعنی اسلامی معارف اور قوانین جو زمانہ کی اقتضاء مصالح ومفاسد کے سبب رونما ہوتے ہیں مسلمانوں کی عزت کی مراعات کرتا ہے، وغیرہ۔ غرض کہ فقہ کی حد میں ولایت فقیہ سے بہت کم بحث ہوئی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ مبتلا بہ امر نہ ہونے کی وجہ سے ایسا تھا ورنہ دوسری بحثیں بھی اس سے بے ربط نہیں ہیں۔ اگر چہ ولی فقیہ کا اصل موضوع علم کلام میں آتا ہے۔

....

۱) العوئد۔ محقق نراقی۔ ص۲۶۲ (۲) کتاب البیع۔ ج ۲۔ ص ۴۶۸

فقیہ روایات کی نظر میں

محقق حلی (م:۶۷۶ھ) : فرماتے ہیں:

﴿ یجب ان یتولی صرف حصة الامام علیه السلام الی الاصناف الموجودین من الیه الحکم بحق النیابة کمایتولی اذامایجب علی الغائب﴾(۱)

سہم امام علیہ السلام کو مستحقین کے درمیان تقسیم کرنا نائب امام پر اسی طرح واجب ہے جس طرح خود امام پر واجب ہے

شہید ثانی (۹۶۶ھ) اس امر کی وضاحت میں :

﴿ المراد به من الیه الحکم بحق النیابة الفقیه العدل الامامی الجامع الشرائط الفتویٰ ،لانه نائب الامام ومنصوبه ﴾(۲)

محقق حلی کی مراد اس عبارت "من الیه الحکم بحق النیابة" سے فقیہ عادل، امامی ہے جو فتویٰ کی تمام شرائط کا حامل ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسا شخص امام کی جانب سے منتخب شدہ ہے۔

صاحب جواہر محمد حسن نجفی بھی فقیہ کو امام کی جانب سے حجت جانتے ہیں:

﴿ وانه الحجة من الامام علیه السلام ،علی الناس کماان الامام حجةالله علیهم بل قدعرفت کونه ولیا بل لعل ظاهر الدلیل ان حجتیه علی حسب حجتیه وله حنئذٍ استنابة وتولیة الحکم لفتاواه ﴾ (۳)

فقیہ امام کی جانب سے لوگوں پر حجت ہوتا ہے جس طرح امام لوگوں پر اللہ کی

حجت ہے۔ بلکہ فقیہ کو ولی جانا گیا ہے۔ اور دلیل سے یہ ظاہر ہے کہ فقیہ کی حجیت امام کی حجیت پر مبنی ہے اور اس صورت میں ولی فقیہ امام کا نائب اور فتویٰ دینے میں صاحب حکم ہوتا ہے۔

سید محمد بن علی موسوی (۱۰۰۹ھ) محقق حلی کی عبارت کی یوں شرح کرتے ہیں :

﴿ والذی جزم به المصنف واذا کان هذا لازماً فی حال حضوره کان لازماً له فی حال غیبة لان الحق الواجب لایسقط بغیبة من یلزمه ذالك ﴾(۴)

محقق حلی اور دوسرے فقہاء قائل ہیں جب سہم امام علیہ السلام امام کے زمانہ میں واجب تھا، وہ غیبت امام میں بھی واجب ہو کیونکہ واجب حق امام کی غیبت سے ساقط نہیں ہوتا۔

اب فقیہ جو صاحب امر علیہ السلام کی جانب سے مقرر ہوتے ہیں اسکی تصدیق عقل و روایت اور اجماع سے ہوتی ہے۔

عقل : اگر فقیہ امام کی اجازت و نیابت نہ رکھتا ہو تو اہل اسلام کے لیے حرج، محدودیت اور نظام میں خلل واقع ہوگا، اخبار میں یہ آیا ہے کہ امام نے اسحاق بن یعقوب کے جواب میں لکھا کہ پیش آنے والے حوادث میں ہمارے راویوں کی طرف رجوع کرو، کیونکہ وہ ہماری طرف سے تمھارے لیے حجت ہیں اور ہم ان پر خدا کی حجت ہیں۔

اگر فقیہ اپنی زعامت وقیادت پر اپنی خواست و بافت کے مطابق متمکن اور صاحب مقدور نہ ہو تو قوم وقبائل اور اسلامی معاشرہ جو احکام قرآن کے اجراء کی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں وہ ظلم و ناانصافی کے تلے کچل اٹھیں گے اور کبھی بھی سر نہ اٹھا سکیں گے۔ ان اقوال و دلائل کی روشنی میں کوئی شک وشبہہ باقی نہیں رہ جاتا کہ ہر زمانہ میں اعلم اور جامع الشرائط مجتہد کو امام معصوم کی جانب سے نیابت حاصل ہوتی ہے تاکہ جملہ احکام کو بطور احسن عملی جامہ پہنائے اور اسلامی نظام اپنی پوری آن بان کے ساتھ چل سکے۔

۱) شرائع الاسلام ج ۱۔ ص ۱۸۴ کتاب الخمس دارلاضواء بیروت

۲) مسالك الافهام ج ۱۔ دار الهدیٰ قم

۳) جواهر الكلام ج ۱۶ ص۶۵۔۶۶

۴) مدارك الاحكام فی شرح شرائع الاسلام۔سید محمدبن علی الموسوی عاملی ص ۴۲۶

۵) احتجاج طبرسی۔ج ۲ ص ۲۶۳

ولایت کی تقسیم

کلی اعتبار سے ولایت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ولایت تکوینی :

۲۔ ولایت تشریعی:

یہ بات مسلم ہے کہ ولایت تکوینی کا تعلق خدا سے ہے لیکن انبیاء وائمہ خدا کے اذن سے عالم کون وطبیعت میں تصرف کر سکتے ہیں، جیسا کہ قرآن اور تاریخی واقعات اس ادعا پر دلالت کرتے ہیں، مثال کے طور پر جناب ابراہیم کا خدا سے سوال کرنا۔

﴿ رب ارنی کیف تحی الموتی ﴾

پروردگارا ! تو مجھے دکھادے کیونکر مردوں کو زندہ کریگا؟

تو آواز آئی ابراہیم کیا تمھیں یقین نہیں ہے؟ حضرت ابراہیم نے عرض کی: لیطمئن قلبی تا کہ میرے دل کو اطمینان حاصل ہو جائے۔ فرمایا: چار پرندوں کو لیکر ٹکڑے ٹکرے کر ڈالو پھر پہاڑ پر رکھ دو۔ اس کے بعد سب کو بلاؤ اللہ کے نبی نے ایسا ہی کیا۔ تو گوشت میں حرکت ہوئی اور الگ الگ ہو کر اپنے سر سے جا ملے اور زندہ ہو گئے۔

حضرت ابراہیم کا خدا کے اذن سے ان پرندوں کو زندہ کرنے کا نام ولایت تکوینی ہے جو خدا کی طرف سے انکو تفویض کی گئی ہے۔

اسی طرح شق القمر کا واقعہ اور ہمارے نبی (ص) کے اشارے پر درخت کا ہرا بھرا ہو جانا وغیرہ بھی ولایت تکوینی ہے۔

خود اس ولایت تکوینی کو بھی چند طریقہ سے بیان کیا جا سکتا ہے:

۱) ایک شخص کو خود اپنے نفس پر یا جن چیزوں پر وہ قابض ہے ولایت تکوینی ہوتی ہے، جیسے اعضاء بدن آنکھ، کان اور زبان ۔ یعنی ایک شخص اپنے نفس پر قدرت رکھتا ہے، خود کو ہلاک کرسکتا ہے یا اعضاء بدن کو قطع کرسکتا ہے، لیکن شرعاً اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا جایز نہیں ہے۔

۲) ایک شخص تکویناً خدا کی مخلوق میں ایجاد و نوآوری پر مستقل ولایت وسلطنت رکھتا ہے خواہ انجام دے یا نہ دے یا اسکی حرمت وجوب کا کوئی فرض پایا جائے یا نہ پایا جائے البتہ یہ ولایت خدا کی عطا کی ہوئی ہے اور اگر خدا چاہے تو یہ ولایت اور استقلال کو سلب کرسکتا ہے، کیونکہ:

﴿ کل یوم هوفی شان ﴾ (۱)

خدا تو ہر روز ہر آن نئی شان وحیثیت والا ہے

﴿ الاله الخلق والامر ﴾ (۲)

آگاہ ہو جاؤ کہ تمام مخلوق (ملک) میں اس کا حکم نافذ ہے

غرض تمام کائنات پر بغیر کسی واسطہ اور شریک کے صرف خدا ولایت مطلقہ رکھتا ہے۔

۳) یا ایسی عام ولایت جو خدا کی طرف سے کسی کو عطا ہوتی ہے لیکن اسمیں واسطہ نہ ہونے کا شک ہو:

﴿ وهوالذی یرسل الریاح بشراً بین یدی رحمه ﴾ (۳)

خدا وہ ہے جو ہواؤں کو رحمت کی بشارت بنا کر بھیجتا ہے

﴿ ان الله فالق الحب والنوی ﴾ (۴)

وہ اللہ جو دانہ اور گٹھلی کو شگافتہ کرتا ہے

ضرورت محسوس ہوئی تو امامت کا سلسلہ آگے بڑھایا جب انسانیت اس موڑ پر پہنچی کہ اس کی آزادی اور تکامل کی طرف آگے بڑھنے کے لئے ضروری ہوا کہ ہادی اور امام غیبت میں چلے جائیں تو اللہ تعالی نے اس امر کو انسانیت کے لئے انتخاب کیا' رسول اکرم نے اپنی حیات میں تین ضروری فرائض انجام دئے۔

۱) ہدایت اور تبلیغ اسلام۔

۲) اسلامی حکومت کا قیام اور اس کی قیادت۔

۳) اسلامی نظام میں رہنے والوں کے درمیان ہونے والے اختلافات وغیرہ کو دور کرنا اور مجرموں کو سزا دینا۔ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے بھی ان ذمہ داریوں کو بطور احسن انجام دیا لیکن آپ کی شہادت کے بعد زمانے نے رنگ بدلا اور امام حسن علیہ السلام کو ظاہری حکومت اور قضاوت کے منصب سے دست بردار ہونا پڑا اور غیبت تک یہ منصب نا اہلوں کے ہاتھ میں رہا۔ یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیبت کے زمانے میں اسلام نے کیا لائحہ عمل وضع کیا ہے عقلی طور پر صرف دو ہی صورتیں تصور کی جاسکتی ہیں۔

۱) انسان کو آزاد چھوڑ دیا، جس طرح چاہے زندگی گزارے اور اپنے اجتماعی نظام کے لئے قانون وضع کرے اور رہبر کا انتخاب کرے۔

۲) انسان کی رہنمائی اور غیبت کے زمانے سے پہلے ہی ان تعلیمات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا تا کہ آنے والے سخت دور میں انسان بغیر رہنما کے گمراہ نہ ہو جائے جس کی تاریخ میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ ہر عاقل شخص کا جواب یہ ہوگا کہ جس خالق نے اپنی مخلوق کو خلقت کی ابتدا سے ہدایت کے بغیر نہ چھوڑا اور انسانیت کی ابتدا ہی نبی کی خلقت اور اس زمین پر تشریف آوری سے کی وہ غیبت کے زمانے میں کس طرح سے انسانیت کو بغیر کسی نظام

انسان کے بدن میں روح یا قلب کہ جسکی وجہ سے انسان زندہ رہتا ہے۔ اسی طرح نظام کائنات میں ایک حجت خدا ہے کہ جسکے وجود سے کائنات کا نظام باقی اور چل رہا ہے۔

﴿ ایاب الخلق الیکم وحسابھم علیکم ﴾ (۵)

ای اہل بیت رسول ساری مخلوق کی بازگشت تمھاری طرف ہوگی اوران کا حساب آپ کے ذمہ ہے۔

آیات، روایات اور مسلمات دلائل کی بناپر اپنی صلاحیتوں کے سبب اہل بیت اس عظیم مرتبہ پر فایز ہیں کہ مخلوق میں خدا کے اذن سے تصرف کا حق رکھتے ہیں۔

ولایت بمعنی اولیٰ:

لوگوں کے اموال ونفس میں تصرف کا حق صرف اللہ کو حاصل ہے، یہ اولیٰ بمعنی تعینیہ پھر دوسرے مرتبہ میں نبی کے لیے :

﴿ النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم ﴾

پیغمبر لوگوں کے اموال اور نفسوں پہ ان سے زیادہ حق رکھتے ہیں

جب رسول اللہ کی ولایت وحاکمیت اس بلند مرتبہ پر ثابت ہے تو حکم خدا ہوا۔

﴿ بلغ ماانزل الیك من ربك ﴾

اسی ولایت کو پیغمبر اسلام نے روز غدیر جناب امیر المومنین کے سپرد کی اس سے قبل لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا: اور سوال کیا اسی ولایت کے متعلق "الست اولی بکم من انفسکم" کیا میں تمھارے نفسوں سے بہتر نہیں ہوں؟ "قالوا بلی یا رسول اللہ"۔ اس کا انکار نہیں کر سکتے تھے۔ ورنہ قرآن کی صریح مخالفت ہوتی۔ جب لوگوں سے اقرار لے لیا تو اب اللہ کے رسول نے فرمایا :

﴿ من کنت مولاه فهذا علی مولاه ﴾

یہ اعلان آیت بلغ کے بعد زبان وحی رسالت سے ہوا جس وقت رسول اللہ آخری حج کر کے مدینہ واپس ہو رہے تھے تو راستہ میں اٹھارہویں ذی الحجہ غدیر خم کے مقام پہ حاجیوں کو جمع کر کے اونٹ کے کجاوہ کا منبر بنایا خطبہ میں اللہ کی حمد وثنا کے بعد حکم خداوندی سے لوگوں کو آگاہ کیا جسکے نتیجہ میں حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر ان کی ولایت وامامت کا اعلان کیا۔ یہی ولایت تھی جو کفر وشرک کے ساتھ نفاق کے چہروں سے نقاب کشائی کرنے والی تھی، جب ہی تو کفر مایوس ہوا تھا۔

﴿ الیوم یئس الذین کفروا من دینکم... ﴾(۶)

آج کے دن کفار تمہارے دین سے مایوس ہو گئے وہ دن ۱۰ ہجری کا تھا کہ جب رسول خدا نے حضرت علی کی ولایت کا اعلان کیا تھا۔

۲ : ولایت تشریعی :

ایسی ولایت: کہ جس میں کوئی شخص حکم خدا سے بطور تشریعی کسی چیز پر ولایت رکھتا ہے اسی ولایت کو ولایت شرعیہ بھی کہا جاتا ہے، جیسے کسی شخص کی ولایت دوسرے شخص کے نفس پر۔

﴿ ان الحکم الا لله ،امر الا تعبدو الا ایاہ ﴾ (۷)

تنہا حکم کی فرمانروائی خدا کے لیے ہے۔ اسی نے حکم دیا ہے کہ سوائے اس کے کسی کی عبادت نہ کرو۔

ولایت تشریعی میں قانون عبادت ،معاملات ، اقتصاد ،تعلیم وتربیت اور دیگر امور میں اصل ولایت اور قانون گذار خداوند عالم کی ذات ہے۔ منجملہ یہ بھی مذہب اسلام کی

ایک خصوصیت ہے کہ کسی فرد بشر کو دوسرے شخص کے مقدرات کا شرعاً مالک نہیں بنایا، کوئی کسی پر حاکم نہیں اور کوئی بھی کسی کو ذلیل یا کمزور کرنے کا حق نہیں رکھتا اس سے روشن ہے کہ وہ اپنی خواہشات نفسانی سے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

باپ دادا کی ولایت اپنے غیر مکلّف بچوں پر، قاضی کی ولایت کسی حکم اور قضاوت پر ہونا بھی ولایت تشریعی میں آتا ہے۔

....

۱) س رحمن ۲۹

۲) س اعراف ۵۴

۳) س اعراف ۵۷

۴) س انعام ۹۵

۵) مفاتیح الجنان

۶) س مائدہ ۳

۷) س یوسف ۴۰

ولایت، حکومت وامارت سے بلند

حضرات ائمہ معصومینؑ کی ولایت کے بعد اگر کسی کو غلط فہمی ہو کہ فقہاء کی ولایت امام معصوم کی طرح ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ رسول وائمہ کا جو مقام معنوی ہے وہ خلافت وحکومت سے بھی بلند وبالاتر ہے۔ ذرات عالم ان کے سامنے خاضع اور مسخر ہیں۔ یہ ضروریات دین سے بھی ہے لہذا کوئی شخص بھی اہل بیت کے مرتبہ کو نہیں پہونچ سکتا۔ نیز ائمہ معصومین ولایت تکوینی پر فائز ہیں اور غیر معصوم کی ولایت اعتباری ہوتی ہے۔

رسول اکرم فرماتے ہیں :

﴿ ان لنا مع الله حالات لایسعه ملك مقرب ولانبی مرسل ﴾ (۱)

خدا کے نزدیک ہمارا مقام ومرتبہ اتنا بلند ہے کہ جہاں تک نہ فرشتہ پہونچ سکتا ہے اور نہ کوئی نبی یا رسول۔

﴿ الله مولای اولی من نفسی لاامر لی معه وانا ولی المومنین اولی بهم من انفسهم لاامرلهم معی ومن کنت مولاه اولی به من نفسه لاامر له معی، فعلی مولاه اولی به من نفسه لاامرله معه ﴾ (۲)

اللہ میرا مولا اور میرے نفس سے اولی ہے اس کے امر کا میں تابع ہوں اور میں مومنین کا ولی اور ان کے نفسوں سے اولی ہوں وہ میرے حکم کے تابع ہیں۔ اور جس کا میں

مولا ہوں اس کے نفس سے بہتر ہوں وہ میرے امر کے تابع ہیں اور جس کا علی مولا ہے ان کے نفس سے اولی ہے اور وہ لوگ اس کے امر کے تابع ہیں۔

﴿ قل اغیر اللہ اتخذوا ولیا فاطر السمٰوات والارض ﴾ (۳)

ای رسول کہدو کیا خدا جو سارے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے چھوڑ کر دوسرے کو اپنا سرپرست بنالیا۔

یہاں اصول فطرت یہ ہے کہ تمام کائنات تکویناً اور فطری طور پر اللہ کی ولایت کے زیر اثر ہے کیونکہ سارے موجودات اسی کے تابع ہیں۔ یہی حال انسان کے وجود کا ہے کہ شکم مادر کی تنگ فضا میں سارے اعضاء رشد ونمو پاتے ہیں اور وجود میں آجاتے ہیں۔

﴿ ھوالذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء ﴾ (۴)

خدا وہ ہے جو رحم مادر کے اندر جس طرح چاہتا ہے تصویریں بناتا ہے۔

لہٰذا زمین وآسمان کی مانند انسان بھی خدائے تعالی کی زیر سرپرستی وحکومت میں ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرا کوئی بھی ولی وسرپرست نہیں ہوسکتا۔ ﴿ ام اتخذوامن دونہ اولیاء فاللہ ھوالولی وھویحیی الموتیٰ وھو علی کلی شیء قدیرا ﴾

کیا اللہ کے علاوہ دوسرے کو ولی (کارساز) بناتے ہیں جبکہ ولی خدا ہے اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور وہی مردوں کو زندہ کریگا۔

یہ بات بھی محتاج دلیل نہیں کہ خداوند متعال نے ولایت وسرپرستی اپنے خاص افراد کو خاص طریقہ سے نصب کر کے عطا کی ہے یعنی اللہ کی جانب سے وہ امامت کے درجہ پہ نصب کیے گئے ہیں۔ جیسے: جناب ابراہیم، جناب اسحاق اور جناب یعقوب علیہم السلام کو ولایت پر فائز کیا۔ ﴿ وجعلناھم ائمہ یھدون بامرنا واوحینا الیھم فعل الخیرات ﴾ (۵)

اوران سب کولوگوں کا پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کے پاس نیک کام کرنے (نماز پڑھنے اور زکات دینے) کی وحی بھیجی۔

غرض کہ ختمی مرتبت کے بعد ائمہ معصومین رسالت وولایت کے مالک ہوئے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ لیکن ائمہ اہل بیت کو اللہ نے جو منصب امامت اور کمال معنوی دیا تھا وہ اپنی ظاہری زعامت وحکومت کے اثبات میں صرف نہ کرتے تھے۔ کیونکہ یہ حکومت وامارت ایسا امر ہے جسکی تحصیل، تقوی جہاد اکبر سے ممکن ہے مگر امامت جو خاص ہبہ الٰہی ہے فقط اللہ کی بخشش وعطا پر منحصر ہے۔

﴿ الله اعلم حيث يجعل رسالته ﴾ (۶)

یہ منصب امامت کسی دوسری کوشش سے نہیں حاصل ہوتا اور اسکا سلسلہ بھی رسالت سے جڑا ہے۔ جیسا کہ رسالت کے حکم سے ملی ہوئی ولایت کی تاکید ان لفظوں میں ہوئی تھی۔

﴿ فان لم تفعل فمابلغت رسالته ﴾

چونکہ یہ ولایت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن عدل وانصاف پہ مبنی اور صراط مستقیم کو باقی رکھنے والی تھی یہی ولایت علی بن ابی طالب علیہ السلام تھی جو دنیا میں ہمیشہ کے لیے ایک صالح، قرآنی اور الٰہی حکومت کا نمونہ بننے والی تھی۔ جسکو ہر صاحب عقل تاریخ کا مطالعہ کر کے دنیاوی اور دینی قیادت کے فرق کو درک کرسکتا ہے مثال کے طور پر بعد رسول علی بن ابی طالب کی صالح حکومت وولایت کے مقابلہ میں معاویہ کی آمریت ''انا اول الملوك وآخر الخليفة'' اسی وجہ سے اس ولایت کی ان الفاظ میں تاکید کی گی تھی۔

﴿ عن ابی جعفر علیه السلام: قال: بنی الاسلام خمسة اشياء: الصلواة والزكاة والحج والصوم والولاية۔ قال زراره: فقلت: وای شیء من ذالك افضل؟ فقال الولاية افضل لانها مفتا حهن، والوالی هو الدليل عليهن ﴾ (۷)

پانچ چیزوں پہ اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے، وہ ہیں نماز، زکات، حج، روزہ اور ولایت۔ زرارہ کہتے ہیں کہ جب سوال کیا کہ کون سی چیز زیادہ افضل ہے؟ جواب ملا ولایت افضل ہے۔ کیونکہ ولایت ہی سب میں کلیدی کام کرتی ہے اور صاحب ولایت ان سب پر دلیل وحجت ہے۔

﴿ ولم يناد بشيء مانودي بالولاية ﴾ (۸) نماز، روزہ، حج وزکات کی اگر چہ کم اہمیت نہیں ہے، ان کی آگہی میں دنیا بھر کی تلاش، محنت درس واجتہاد اور استنباط کی ضرورت ہے تاکہ ان مسائل کو عملی زندگی میں نافذ کیا جا سکے۔ اس لیے کہ اسلام صرف ایک عقیدہ کا نام نہیں ہے قرآن فقط ایک تھیوری نہیں ہے۔

توجہاں ان فروعات میں اتنی چھان بین، احتیاط، امتیاز اور اجتہاد کیا جاتا ہے تاکہ کسی طرح سے خدائی نصب العین کے مطابق اسلامی معاشرہ میں بیرونی اثر ورسوخ کی جھلک نہ پہونچ سکے۔ قارئین کرام جب آپ نے اسلام کا مزاج چند جزئی مسائل میں ملاحظہ فرمایا تو اس آفاق گیر قوانین کو معاشرہ میں نافذ کرنے اور اسکی تعلیم تربیت، تہذیب وتمدن کی حفاظت اور فروغ دینے کے لیے کسی سرپرست، سربراہ شخص کی ضرورت نہیں؟

....

۱) والایت فقیه ۔امام خمینی (رہ)

۲) العقد الثمین فی معرفة رب العالمین ص ۴۸ طبع بیروت مکبة حیات

۳) انعام ۱۴   ۴) س آل عمران ۶

۵) انبیاء ۷۳   ۶) س انعام ۱۲۴

۷) وسائل الشیعه ج ۱ ص ۱۸   ۸) اصول کافی وسائل الشیعه ج ۱۔ ص ۱۸

ولایت قرآن کے آئینہ میں

﴿ لامؤثر فی الوجود الا اللہ ﴾

تمام مخلوق کی خلقت میں خدا کے علاوہ کوئی دوسرا مؤثر نہیں ہے

﴿ والتصرف فی التکوین والابداع من شانہ تعالی ﴾

ساری کائنات کو وجود میں لانا خدا ہی کی شان ہے۔ وہ خود فرماتا ہے

﴿ وھل من خالق غیر اللہ ﴾ یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا خالق ہو سکتا ہے؟

﴿ واللہ خلقکم وما تعملون ﴾(۱)

حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔

﴿ کل ما بالغیر لابد ان ینتھی الی ما بالذات ﴾ اس کے علاوہ ہر شیء جو عالم کون و مکان میں موجود ہے سب کی بازگشت اس کی طرف ہے۔

اور سب اسی کے محتاج ہیں۔ مگر جو بعض اولیاء مقربین بارگاہ الٰہی کے ہاتھوں موجودات میں تصرف دکھائی دیتا ہے جسکو معجزہ اور کرامت کہتے ہیں۔ جو انبیاء کے ہاتھوں ان کی نبوت کے اثبات میں ظاہر ہوا جیسے رسول اللہ کے ہاتھوں پر سنگریزوں کا تسبیح کرنا۔ کیا یہ تصرف غیر انبیاء خدا کے صالح بندوں سے ممکن ہے؟

جواب: قرآن نے کچھ واقعات بیان کیے ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کے علاوہ خاصان خدا سے یہ معجزہ اور کرامت ممکن ہے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام کی حکایت : ﴿ فالقیٰ عصاہ فاذا ھی ثعبان مبین ﴾ (۲) انھوں نے اپنا عصا ڈال دیا تو اسی وقت وہ اژدہا بن گیا۔

معجزہ (عاجز کرنے والی چیز) دلیل عقل و شرع کی بنا پر لازم تھا کہ خدا اپنے نمایندوں کو یہ اعجاز عطا کرتا۔ دیکھا تو یہ گیا کہ اس طرح کرامت و سلطنت بعض غیر انسان کو بھی حاصل ہوئی ہے۔ جن، جو انسان سے پست تھا۔ جب سلیمان بن داوٗد علیہما السلام نے ہدہد کو نہ دیکھا کہا کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو اسکی جگہ نہیں دیکھ رہا ہوں؟ آخر میں ملکہ بلقیس کا تخت لانے کا سوال آیا تو عفریت جو جن تھا آواز دی ﴿ انا آتیك به قبل ان تقوم من مقامك ﴾ قبل اس کے کہ حضور دربار برخواست کر کے اپنی جگہ سے اٹھیں میں آپ کے پاس تخت لاؤں گا۔

اللہ تعالی نے عفریت کو یہ طاقت دی تھی کہ ملک (صنعا) یمن سے (سباء) یوروشلم تک اس عظمت و سنگینی کے باوجود جناب سلیمان کے اپنی مجلس قضا سے اٹھنے سے پہلے لانے کا دعویٰ کیا۔ اس پر جناب سلیمان نے حاضرین سے کہا میں چاہتا ہوں اس سے بھی جلد تخت آئے۔ لہذا اب آصف بن برخیا جو آپ کے وزیر تھے، اٹھے اور کہا :

﴿ انا آتیك به قبل ان یرتد الیك طرفك فلما راٰه عنده قال هذا من فضل ربی ﴾ (۳) آصف بن برخیا نے کہا میں پلک جھپکنے سے پہلے تخت کو آپ کے پاس حاضر کئے دیتا ہوں بس اتنے میں وہ تخت آگیا جناب سلیمان نے اپنے پاس وہ تخت موجود پایا تو کہا یہ میرے اللہ کا فضل ہے۔

چشم زدن میں اتنی طولانی مسافت طے کر کے عظیم اور ثقیل تخت ایک عام شخص نے حاضر کر دیا۔ یہ واقعہ قرآن میں موجود ہے جس کا انکار کوئی نہیں کر سکتا۔ لیکن جای افسوس ہے کہ بعض لوگ سیاسی ہتھکنڈوں، علماء سوء و متعصب لوگوں کے کمند میں پھنس کر فخر

سلیمان، زمین وآسمان میں افضل واعلم، جانشین محمد بن عبداللہ امام علی بن ابی طالب اور دیگر ائمہ اہل بیت رسول اللہ کی کرامات وولایت میں شک کرتے ہیں۔ جواعلان کررہا ہے کہ ہم اپنے خدا کے ساختہ وپرداختہ (تربیت یافتہ) اور کائنات ہماری ساختہ وپرداختہ ہے یعنی ہم خدا کے فیوض سے بہرہ مند ہیں اور لوگ ہمارے فیوض سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

﴿ فاناصنا ئع ربناوالناس بعد صنائع لنا ﴾ (۴) ہم اپنے پروردگار کے تربیت یافتہ اور لوگ اس کے بعد ہمارے تربیتکردہ ہیں۔

معروف حدیث :

﴿ لولاک لماخلقت الافلاک ﴾ اے رسول! اگر تم نہ ہوتے تو میں اس کائنات کو خلق نہ کرتا۔

اس سے روشن ہے کہ کتاب خلقت کو خالق کائنات نے اپنے حبیب کے وسیلہ سے بازکیا۔ پہلانور حق سبحانہ نے خلق کیا وہ مخصوص معصومین علیہم السلام کا تھا جو حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے شروع ہوکر حضرت محمد مہدی (ع) تک پہونچتا ہے، امام علی رضا (علیہ السلام) فرماتے ہیں :﴿ لوخلت الارض طرفة عین من حجت لساخت باهلها ﴾ اگر چشم زدن کے لیے زمین حجت خدا سے خالی ہوجائے تو زمین اپنے تمام رہنے والوں کے ساتھ ہلاک ہوجائے۔ گویا دنیا کی بقا دلالت کرتی ہے کہ حجت خدا باقی ہے۔﴿ بکم فتح الله وبکم یختم ﴾ کیونکہ اے اہل بیت رسول تمہیں سے کائنات کی ابتداء ہوئی اور تمہیں پہ انتہا ہوگی۔

....

۱) س صافات ۳۷ ۔ ۹۶ ۲) س اعراف ۱۰۷

۳) س نحل ۴۰ ۴) نہج البلاغه

کے چھوڑ سکتا ہے۔اس نظام کے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں تین اساسی رکن ہیں۔

۱) مرجعیت: جو کہ تبلیغ اسلام اور ہدایت و رہنمائی کے فرائض انجام دیتے ہیں۔

۲) ولایت: جو اسلامی حکومت کو قائم کر کے اس کی قیادت اور رہبری کی ذمہ داری انجام دیتے ہیں۔

۳) قضاوت: جو باہمی اختلافات کو حل کرنے اور مجرموں کو سزا دینے کا کام انجام دیتے ہیں۔

ایران میں حضرت امام خمینی کی قیادت میں برپا ہونے والے انقلاب اسلامی اور اس کے نتیجہ میں قائم ہونے والی اسلامی حکومت میں بارہ سو سال بعد پھر سے اس بات کو ثابت کیا کہ اسلام ایک جامع دین اور نظام ہے جو انسانیت کو ظلم و استبداد و جاہلیت سے نجات دلا سکتا ہے اس نظام کے قیام کے بعد بعض لوگوں نے اس پر اعتراضات کیئے اور چند افراد کے لئے یہ بات قابل تعجب تھی کہ اسلام میں حکومت نام کی کوئی چیز پائی جاتی ہے ان کے خیال میں دین اور سیاست دو مختلف چیزوں کے نام ہیں جن کا اجتماع ممکن ہی نہیں اور غیبت کے زمانے میں اس طرح کی حکومت کا قیام معنی نہیں رکھتا۔

حجۃ الاسلام جناب مولانا زاہد علی صاحب نے اسلامی معاشرے کے ان تینوں ارکان کو بہت ہی احسن طریقے سے اپنی اس تحقیق میں بیان کیا ہے اور ایران کے انقلاب اسلامی کے بعد قائم ہونے والی اسلامی حکومت اور اس کی فکری اساس کو بھی اچھی طرح سے واضح کیا ہے۔

امید ہے کہ علمی طبقوں کے لئے ان کی یہ کوشش مفید ہوگی اور اسلامی حکومت کا پرچم اس طرح کی علمی اور عملی کوششوں کے ذریعہ پوری دنیا پر لہرائے گا۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ "زہرا اکادمی" کے اراکین اور محققین کی ان کوششوں کو

ولایت صفات خدا کا مظہر

یہاں تک جس ولایت کا تذکرہ ہوا یہ اپنے تمام درجات و مراتب کے اعتبار سے اپنے آخری اور ختم نہ ہونے والی ولایت مطلقہ کی طرف پلٹتی ہے۔ان مذکورہ ولایتوں میں جو بھی انبیاء اولیاء خاصان خدا اپنی قدرت سے ایسے امور انجام دیتے ہیں، جو عام لوگوں کے لیے معجزہ کہا جاتا ہے۔ یہ سب طاقتیں انھیں خدا ہی نے دی ہیں تا کہ معاشرہ میں خدا کی ولایت روشن ہو اور ان صاحبان ولایت کے ذریعہ لوگ کمال مطلق سے اپنے رشتہ کو مضبوط کرسکیں ۔بعض کو اس مقام و منزل میں شک و شبہہ ہوا ہے لیکن قرآن نے خود صاف بیان کر دیا ہے۔﴿ **الله یتوفی الانفس حین موتها** ﴾ (۱) اللہ موت کے وقت نفسوں کو وفات دیتا ہے۔ حقیت میں اللہ ہی ہے جو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے۔

﴿ **قل یتوفاکم ملك الموت الذی وکل بکم** ﴾ (۲)

کہد و کہ ملک الموت تمھیں موت دیتا ہے جو تم پر مقرر ہے

پھر جناب عیسیٰ علیہ السلام کے لیے کہا :﴿ **وتبری الاکمه والابرص باذنی واذ تخرج الموتی باذنی** ﴾ (۳) تم مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے اور مردوں کو میرے حکم سے زندہ کرتے تھے۔

خدا نے مردہ کو زندہ کرنے ،مریض کو شفا دینے کی نسبت جناب عیسیٰ علیہ السلام کی

طرف دی ہے کیونکہ جناب عیسیٰؑ چاہتے تھے کہ یہ انجام پائے ، اگر چہ خدا کے اذن سے اور یہ زندہ کرنا جناب عیسیٰ کا کام ہوا۔ خدا نے انھیں یہ قدرت دی تھی۔ لہذا یہ کہنا شرک کا باعث نہیں کیا۔ خدا نے حکم نہیں دیا ہے کہ : ﴿ یا ایھا الذین آمنو اتقو الله وابتغو الیه الوسیله ﴾ (۴) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہونچنے کا وسیلہ تلاش کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ شخص جو منبع فیض و برکات سے کوئی کمال حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ انبیاء وائمہ جو خدا کی طرف سے اذن یافتہ ہیں وسیلہ بنائیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام خدا کے اسماء اور صفات کے مظہر ہیں۔ رسول اور ان کے اہل بیت ائمہ معصومین قدرت خداوند متعال کے جلوے ہیں۔ وہ جو بھی چاہیں اور مصلحت ہو تو خدا کے اذن سے انجام دے سکتے ہیں۔ ائمہ معصومین ولایت خدا کی تجلی اور خدا کے صفات وکمالات کا مظہر ہیں جو شیعہ مکتب فکر کا ایک بنیادی ستون ہے جو روز اول سے آج تک اسی یقین واعتماد پر استوار ہے۔ انھیں کے وسیلہ سے دنیا کی بقا اور اہل دنیا کی امن وسلامتی ہے یہ پاکیزہ ہستیاں زمین اور اس میں بسنے والوں کی امن سلامتی کا باعث ہیں۔ زیارت رجبیہ جو ابوالقاسم حسین بن روح سے نقل ہوئی ہے، اور اس کو کسی بھی امام کی قبر کے پاس پڑھ سکتے ہیں۔ ﴿ انا سائلکم وآملکم فیما الیکم التفویض وعلیکم التعویض، فبکم یجبر المھیض، ویشفیٰ المریض ﴾ میں آپ سے اس چیز کے بارے میں سوال کرتا ہوں جو آپ کو دیا گیا ہے۔ آپ اسکا عوض دیں اور آپ کے وجود کی برکات سے ہے کہ شکستہ ہڈیاں جڑ جاتی اور بیمار شفا پاتا ہے۔

....

۱) س زمر ۴۲ ۲) س سجده ۱۱

۳) س مائده ۱۱۰ ۴) س مائده ۳۵

ولایت فقیہ معاشرہ میں خدا کی حاکمیت

اگر چہ لفظ ولایت سے ذہن کا تبادر دینی امارت وسلطنت کی طرف ہوتا ہے اور اسلامی معارف میں اس سے بحث ہوئی ہے۔لیکن دنیوی امور میں بھی استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ یہ لفظ عام ہے جو حاکمیت محبت اور دوستی وغیرہ کو شامل ہے۔ یہ حکم خدا کے سامنے تسلیم نیز رسول اور آئمہؑ کی پیروی کرنے سے محقق ہوتا ہے۔

کلام خدا میں جس طرح ولایت خدا کے مقابل طاغوت اور شیطان کی ولایت کا بھی ذکر آیا ہے۔اسی طرح غیر خدا کی ولایت میں غیر دینی ولایت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔رہ گیا یہ مسئلہ قابل انکار نہیں کیونکہ ولایت کا انکار کرنا، حاکمیت اور ایک نظام حکومت کے انکار کے مترادف ہے۔فقط وہ لوگ انکار کرتے ہیں جو اجتماعی زندگی کا اعتقاد نہیں رکھتے۔کیونکہ اجتماعی زندگی بغیر نظام حکومت کے ممکن نہیں ہے۔

دور صفوی میں دینی حکومت کے بارے میں آیا ہے کہ محقق کرکی (ر ہ) کی خاص توجہ حکومت کے سسٹم کو بدل کر ایسی فضا ہموار کرنا تھا جسمیں فقیہ کی زیرنگرانی سارے امور انجام پائیں۔اب اسلام میں مفہوم حاکمیت قوانین خدا کی آگاہانہ وعاشقانہ پیروی کے سوا کچھ نہیں ہے حکومت عہد صفوی میں حالات ایسے تھے کہ فقہاء نے غیروں سے اسلامی حکومت کی حفاظت کے لیے شاہ صفوی کی حمایت کی (۲) اب جبکہ اسلام حق ہے۔

﴿ فماذا بعد الحق الا الضلال ﴾

حق کے بعد گمراہی کے سواء کچھ اور ہے؟ اس ظریف نکتہ کی طرف ہمارے آٹھویں امام نے اشارہ کیا ہے: اگر ہماری ولایت میں کوئی شرک کرے یا ہمارے دوستوں میں کوئی کسی کو رنج پہونچائے تو یہ گناہ معاف ہونے والا نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت کی ولایت سوائے فرمان خدا کے قبول کرنے اور اسکی راہ میں حوالہ کر دینا دوسرا مفہوم نہیں ہے۔ اور ان حضرات کی ولایت سے سرپیچی کرنا خدا کے فرمان سے سراسر انکار کرنا ہے۔

اسی نکتہ کو حضرت امام خمینی نے یوں کہا ہے کہ: "ولایت فقیہ همان ولایت خداست" فقیہ کی ولایت، ہی خدا کی ولایت ہے (۳) یہ کوئی معمہ یا پیچیدہ بات نہیں کہ تحقیق و تعمق کی ضرورت سمجھی جائے یہ ایک سادہ مسئلہ ہے کہ اسلام کا مقصد اگر قوانین خدا کا نفاذ ہے تو حکومت و نظم کی احتیاج ہے اب اگر اسلامی حکومت اسلام کے اصول پہ متکی نہ ہو تو حکومت اسلامی نہیں ہوسکتی کیونکہ اسلامی حکومت میں زمام امر ایک ایسی قیادت کے ہاتھوں ہو جو دین میں دقیق و عمیق درک رکھتا ہو، فقیہ ہو، اسکی طبیعت میں عدل جوئی ہو۔

اسطرح اسلامی حکومت، ولایت فقیہ کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ اس کے برعکس جو حکومت اصول اور عدالت اسلامی کی پابند نہ ہوگی تو اسے خدا اور رسول کی رضایت وحمایت حاصل نہ ہوگی عہد رسول میں خود پیغمبر اکرم جنکی حکومت وولایت اساس دین پر مبنی تھی لیکن جیسے جیسے لوگوں کے سامنے خصوصیات ابھرتی گئیں لوگ اپنی رغبت سے ملحق ہوتے گئے، اگر چہ خلافت عثمان میں اپنے قرابت داروں کیلئے بیت المال کھول دیا گیا،

معاویہ، خلفاء نبی امیہ اور نبی عباس کے مظالم اور قبیح کارناموں سے عالم اسلام میں شبہات و توجیہات کا جال درباری علماء اور زرخرید والیوں کے ذریعہ بچھا دیا معاویہ کے بقول: میں سب سے پہلا پادشاہ اور آخری خلیفہ ہوں... اس مقام پہ ضروری تھا کہ جو حکومت الٰہی کا علمبردار ہو، جسکا ایک ایک عمل عدالت وقضاوت کارہتی دنیا تک شاہکار بن جائے۔

جس پر جملہ مذہب وملت کا اتفاق ہے کہ اس سے بڑا کوئی عالم نہیں، جو ایمان و اسلام میں اور رسول اسلام کے ہمراہ سب سے پیش پیش رہا ہو۔ جسکا جرج جرداق عیسائی نے صوت العدالۃ الانسانیۃ میں قصیدہ پڑھا، جسکے اعمال و کردار کی قرآن سے تصدیق ہوتی ہے۔ جسکو اللہ کے رسول نے مجسمہ حق کہا، اس علی ابن ابی طالب کے بارے میں کہا گیا ہے:

﴿ واما الرای واللہ فکان من اسد الناس رایا ، واصحهم تد بیرا وهوالذی اشار علی عمر بن الخطاب لما عزم علی ان یتوجه نفسه الی حرب الروم والفرس بما اشار وهوالذی اشار علی عثمان بامور کان صلاحه فیها ولوقبلها لم یحدث علیه ماحدث وانما قال اعداؤه: لارأی له لا نه کان مقیداً بالشریعة لایری خلافها، ولا یعمل بمایقتض الدین تحریمه﴾(۴)

”امام علی علیہ السلام کی فکر ونظر اتنی زیادہ دوررس تھی کہ جب عمر بن خطاب نے روم اور فارس کی جنگ میں شریک ہونے کا ارادہ کیا تو ان باتوں کا اشارہ کیا جو کرنا چاہیے تھا یہ امام تھے جنھوں نے عثمان کو جو کچھ امور بتائے جو ان کی بھلائی میں تھے۔ اگر قبول کیا ہوتا تو وہ سب واقعات رونمانہ ہوتے جو واقع ہوئے۔ دشمنوں نے انھیں غیر سیاسی کہا، کیونکہ وہ شریعت کے پابند تھے دین کے خلاف سوچتے بھی نہ تھے اور جو دین میں حرام تھا کبھی انجام نہیں دیتے تھے“

وہ علی علیہ السلام کہ جو الٰہی سیاست کا محور بنے ہوئے تھے۔ اسی لئے جب قتل عثمان کے بعد سارے مسلمان بیعت کے لیے جمع ہوگئے تو امام نے جواب میں کہا تھا:

﴿ وانا لکم وزیراً ،خیرلکم من امیر ﴾

اور میرا تمھارے لیے پشت پناہ بنے رہنا۔ اس سے بہتر ہے کہ تمھارا حاکم بنوں۔
اشارہ یہ تھا کہ میری حکومت عدل وانصاف اور دین کے اصول پر مبنی ہوگی۔

﴿ امرت بقتال الناکثین والقاسطین والمارقین ﴾ (۸)

مجھے پابند کیا گیا ہے کہ عہد و پیمان توڑنے والے ظالموں اور دین سے منحرف لوگوں سے جنگ کروں۔

صفین کے سخت نازک موقعہ پر جب امام کی فوج کے کمانڈر مالک اشتر جنگ کو فتح کرنے کے قریب تھے باطل اور نفاق کے سربراہ کی باری پہونچ چکی تھی کہ پیکر نفاق نے مکر وفریب کی ایک چال چلی:

اور قرآن کو نیزوں پہ بلند کر کے ہم آہنگ ہو کر "لاحکم الا للہ" کا نعرہ لگانا شروع کیا جسکا اثر یہ ہوا کہ نہ فقط سردار کفر ونفاق جان بچانے میں کامیاب ہوئے بلکہ کافی ضعیف الایمان مسلمان امام کی جان کے دشمن ہو گئے، ایسے ناگوار حالات میں بھی اسلام کا فدائی رفع ابہام اور قرآن کی صحیح تعلیم دینے کیلئے تا کہ قوم دوبارہ مکر وفریب کے جال میں نہ پڑے۔

ارشاد فرمایا:

﴿ کلمۃ حق یراد بھا الباطل، لاحکم الا اللہ ﴾

اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں یہ کلمہ حق ہے لیکن اس سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معاشرہ کی حکمرانی خدا آ کر کرے اور حدود واحکام کا خود اجرا کریگا۔

﴿ فقد جعل اللہ لی علیکم حقا بولایۃ امرکم ﴾

خداوند عالم نے مجھے تم پر ایک حق دیا ہے کیونکہ میں تمھارے امر کا ولی ہوں۔

اور یہ ولایت وحاکمیت یکطرفہ نہیں ہے

بلکہ آگے فرمایا:

﴿ امرت بقتال الناکثین والقاسطین والمارقین ﴾ (۸)

مجھے پابند کیا گیا ہے کہ عہد وپیمان توڑنے والے ظالموں اور دین سے منحرف لوگوں سے جنگ کروں۔

صفین کے سخت نازک موقعہ پر جب امام کی فوج کے کمانڈر مالک اشتر جنگ کو فتح کرنے کے قریب تھے باطل اور نفاق کے سربراہ کی باری پہونچ چکی تھی کہ پیکر نفاق نے مکروفریب کی ایک چال چلی:

اور قرآن کو نیزوں پہ بلند کرکے ہم آہنگ ہوکر ''**لاحکم الا للہ**'' کا نعرہ لگانا شروع کیا جسکا اثر یہ ہوا کہ نہ فقط سردار کفر ونفاق جان بچانے میں کامیاب ہوئے بلکہ کافی ضعیف الایمان مسلمان امام کی جان کے دشمن ہوگئے، ایسے ناگوار حالات میں بھی اسلام کا فدائی رفع ابہام اور قرآن کی صحیح تعلیم دینے کیلئے تاکہ قوم دوبارہ مکروفریب کے جال میں نہ پڑے۔

ارشاد فرمایا:

﴿ کلمة حق یراد بها الباطل، لاحکم الا اللہ ﴾

اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں یہ کلمہ حق ہے لیکن اس سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معاشرہ کی حکمرانی خدا آکر کرے اور حدود واحکام کا خود اجرا کریگا۔

﴿ فقد جعل الله لی علیکم حقا بولایة امرکم ﴾

خداوند عالم نے مجھے تم پر ایک حق دیا ہے کیونکہ میں تمھارے امر کا ولی ہوں۔

اور یہ ولایت وحاکمیت یکطرفہ نہیں ہے

بلکہ آگے فرمایا:

﴿ ولکم علی من الحق مثل الذی لی علیکم ﴾

تمھارا بھی حق اسی طرح محفوظ ہے۔جس طرح ہمارا حق تم پر محفوظ ہے۔

یعنی حکومت اسلامی میں ایسا نہیں ہے کہ حاکم جو چاہے کرے، لوگوں کو کوئی حق حاصل نہیں ہے۔نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ حق دوطرفہ ہے۔اگر فرزند پر باپ کا احترام واجب ہے تو باپ پر بھی بیٹے کی تعلیم و تربیت اور ادب سکھانا ضروری ہے۔

﴿ اعظم ما افترض اللہ سبحانہ حق الوالی علی الرعیۃ وحق الرعیۃ علی الوالی ﴾

سب سے بڑا حق جو خداوند عالم نے واجب کیا ہے وہ حاکم کا حق رعایا پر اور رعایا کا بھی حق حاکم پر ہے۔

حق دوطرفہ قرار دیا ہے، تاکہ :

﴿ وجعلھا نظاماً لالفتھم ﴾

لوگوں اور حاکم کے درمیان الفت ومحبت کا رابطہ استوار ہو سکے۔

معاشرہ صحیح وسالم اور جملہ برائیوں سے محفوظ رہے **وعزاً لدینھم** ان کے نزدیک دین وآئین حیات عزیز ہے۔

﴿ فلیست تصلح الرعیۃ الابصلاح الولاۃ ﴾

اور کبھی رعایا کی اصلاح نہیں ہوگی جب تک حاکم صالح نہ ہو

اور جب ہر دو ایک دوسرے کا پاس ولحاظ رکھیں گے معاشرہ میں خوشحالی اور خود اعتمادی کی فضا سازگار ہوگی۔

﴿ وقامت مناھج الدین ﴾

دین کی راہیں مستحکم ہوتی جائے گی۔

اور ہر طرف اسلام کا بول بالا ہوگا اور معاشرہ میں'' **واعتدلت معالم العدل**''
عدل کی نشانیاں نکتہ اعتدال پہ پہونچ جائیں گیں **فصلح بذالك الزمان** اور وہی بہترین
زمانہ ہوگا کہ'' **وطمع فی بقاء الدولة** ''ایسی خوشگوار حکومت ہوگی کہ اس کی حفظ وبقا کی
سب کو خواہش ہوگی۔

البتہ '' **ویئست مطامع الاعدا**'' اسلام کے دشمنوں کی حرص وطمع جو باطل کے
نفاذ کے لیے ہوگی وہ مایوس ہوجائیگی۔آج آفاق عالم میں امام علی علیہ السلام کے الٰہی
اصولوں پر مبنی حکومت کی تمام حکمرانوں کو پیروی کرنا ہوگا۔

....

۱) مقدمه ای برفقه شیعه ، حسین مدرسی طباطبائی ـ مترجم آصف فکرت ص ۵۶ مشهد

۲) فرهنگ جهاد ـ سال اول ش : ص ۲۳ چاپ نگین قم

۳) ماخوذ از کیهان ص ۲ـ ش ۱۶۲۵۲ـ ۲۹ / صفر ۱۴۱۹ھ

۴) شرح نهج البلاغه ج ۱ ص ۲۸ ـ بحار الانوار ج ۴۱ ص ۱۵۰

۵) نهج البلاغه خ ۹۲ـ امام جعفر الصادقؑ عبدالحلیم الحبدی (مصری)

۶) شرح نهج البلاغه ابن ابی الحدید ج ۶ ـ ص ۲۱

۷) انساب ج ۱ ص ۲۳۶ / الفتوح ،ج ۲ / ص ۲۶۶

۸) انساب ج ۱ ص ۱۳۸

آپ کا فیصلہ

اکثر مکاتب فکر اور مذہب کے علماء اپنے پیروکاروں کو بعض چیزوں سے منع اور کچھ امور کی انجام دہی کا حکم دیتے ہیں۔ اسلام میں حلال وحرام، امرونہی، فرض وامساک کے احکام جہاں لاتعداد ہیں جسکا مقصد قوم کی اپنی انفرادی زندگی سے اجتماعی زندگی کو قرآنی آئین میں تشکیل دینا ہے اور اسلام کا حلال وحرام، مباح ومکروہ یہ تمام کا تمام انفرادی زندگی سے شروع ہوکر اجتماعی امور ومعاملات میں اثر انداز ہے۔

ان کی عدم مراعات انسان کو کمال کی جانب بڑھنے سے روکتی ہے زمانہ حاضر میں خصوصاً آپسی تعلقات، معاملات، معیار زندگی کی تبدیلیاں نظام ملک وملت کی دگرگونیاں، ربوی سودخوری غرض امور غیر شرعی میں بشر اتنا سخت گرفتار ہو چکا ہے۔ جس کے مضرات نہ فقط ذاتی معاملات تک محدود بلکہ اسلامی معاشرہ اور ارکان مملکت وملت اس دینی امتیاز کو برقرار نہیں رکھ پاتے، مگر جو قرآن و اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات وکردار کے سایہ میں تربیت یافتہ ہوں نیز ہر طرح سے قرآنی اصول پہ پابند اور اسپر عملی طور پر گامزن ہو۔ یہاں تک کہ رسول جو بانی شریعت تھے اور خداوند عالم فرماتا ہے۔ ہم نے رسول کو نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ انسانوں کو خدا کی اطاعت کا حکم دے اسکا مطلب رسول بھی حاکم علی الاطلاق نہیں ہیں۔

لفظ حکومت حکم سے نکلا ہے جس کے مختلف معنی ہیں۔ ان میں سے فرمان دنیا،

قبول فرمائے اور چہاردہ معصومین علیہم السلام کے واسطے ہم سب کو اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات کو دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق آئندہ نسل تک خلوص کے ساتھ پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شبیر حسن میثمی

زھرا اکادمی حوزہ علمیہ قم

یوم ولادت خاتون جنت ۱۴۳۲ھ

قضاوت کرنا، نظارت کرنا، روک تھام یعنی حاکم جس کا سماج پر غلبہ ہو، ظالم کی پیش قدمی کو روکتا ہے تسلط کا مفہوم اگر کسی چیز پہ تملک پیدا ہو تو تسلط کا اطلاق ہوتا ہے اور وہی حکم چلا سکتا ہے جو مالک ہو۔ لہذا وہ مالک جو انسان کی تکلیف معین کرتا ہے، وہ خود انسان تو نہیں ہے، اسطرح حاکمیت خدا کی طرف سے ہے۔ چونکہ وہ تنہا مالک و خالق ہے، فرماتا ہے زمین و آسمان اور جو کچھ بھی اس کے درمیان ہے اسکی مالکیت و فرمانروائی خدا کی طرف سے ہے۔ جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور خدا تمام چیزوں پر توانا ہے۔ لہذا انسان اور اسکا وجود جس کے ذریعہ سے وجود میں آیا ہے، وہ حق رکھتا ہے کہ انسان کے یے قانون بنائے اور حاکم معین کرے۔ انسان کا حقیقی مالک اور ولی اللہ ہے۔ دوسرے اگر کوئی حکومت اور ولایت رکھتے ہوں تو اپنی حکومت اور ولایت کو اس سے مطابقت کرے تا کہ شرعی اور دینی حکومت کی حامل ہو سکے۔ اور اسطرح سے وہ حکم وحاکمیت خدا کی جانب سے ہوگی۔ پیغمبر اکرم بھی خدا کے حکم کے تابع ہیں جیسا کہ ارشاد ہو رہا ہے:

﴿ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الاوحی یوحیٰ ﴾ (۱)

اس کے مقابل دنیاوی طرز حکومت میں یہ تعہد وامنیت کا تصور بھی نہیں پایا جاتا جو دینی قیادت میں موجود ہے سیدنا امام حسین علیہ السلام سے یہ حدیث نقل ہوئی ہے کہ قاضی کی چار قسمیں ہیں جسمیں تین جہنمی اور ایک جنتی، اگر ایک شخص قاضی قضاوت کرے اور حق کا فیصلہ کرے لیکن اسے صحیح علم نہ ہو تو وہ جہنمی ہے۔ اب اس فرض میں جبکہ اسلامی قیادت و مرجعیت جداگانہ ہو تو کوئی ضروری نہیں کہ دونوں عہدوں میں مکمل ہماہنگی، دینی اصول کی تفاہمی ہی ہو جس سے معاشرہ کی ہر ضرورت دنیاوی، قومی دینی احکامات کی روشنی میں پورا کیا جائے۔ اگر دنیاوی قائد اور دینی مرجع میں دنیاوی عہد و پیمان کی طرح میل جول اور عہد و پیمان رکھنا بھی چاہیں گے تو بھی دنیاوی قیادت پر دینی قیادت کی بالادستی فقہی نقطہ نظر سے

ضروری ہے کیونکہ اس فقیہ کا حکم شرعی دلیلوں سے نکلا ہے۔(۲) رسول نے فرمایا :

﴿ الفقهاء امناء الرسل مالم يدخلوٗ في الدنيا،قيل يارسول الله ومادخولهم في الدنيا ؟ قال اتباع السطان فاذافعلوٗ ذالك فاحذروهم على دينكم ﴾ (۳)

فقہاء رسولوں کے امانت دار ہیں لیکن جب تک دنیا میں داخل نہ ہوں۔ سوال ہوا اے خدا کے رسول ان کے دنیا میں داخل ہونے سے کیا مراد ہے؟

حضرت نے فرمایا: بادشاہ وحاکم کی پیروی کرنا، اگر یہ کام انجام دیں یعنی دنیا میں داخل ہوں تو دینی کام انجام دینے میں ان سے پرہیز کرو۔

دوسری حدیث عمر بن حنظلہ سے ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے میں نے سوال کیا کہ جس وقت دو شخص کسی مسئلہ جیسے قرض یا ارث کے بارے میں ایک دوسرے سے نزاع کریں اور اپنے فیصلہ کے لیے پادشاہ وقت یا سرکاری قاضیوں کے پاس جائیں کیا یہ کام درست ہے؟ حضرت نے فرمایا جو شخص بھی ان سے فیصلہ کروانا چاہے کسی امر میں بھی حق ہو یا باطل تو یقیناً ظالم سے متوسل ہوا ہے اور جو بھی ایسا حاکم اس کے نفع میں حکم کرے گا اگر چہ حق اس کا مسلم یقینی ہو مگر حرام ہے۔ کیونکہ اس نے اپنا حق ظالم سے لیا ہے۔ پوچھا: پھر یہ دو شخص کیا کریں؟ فرمایا: معلوم کرو کہ تم میں سے کون ہماری حدیث کا راوی ہے۔ کون حلال وحرام میں صاحب نظر ہے اور ہمارے احکام کو اچھی طرح جانتا ہے پس حکم کو اس کے ذمہ کریں اور فیصلہ پر خوش وراضی ہوں ۔ (۴) امام علیہ السلام نے واضح کر دیا کہ جو تم میں صاحب نظر ہو حلال وحرام کو بخوبی جانتا ہو اسکی بات تسلیم کرو۔

مزید فرمایا : قد جعلته حاكما (۵) اس سے معلوم ہوا کہ فقیہ کو امام نے فیصلہ اور معاشرہ کی قیادت کا ذمہ دار بنایا ہے۔ اس کو میں نے تم پر حاکم بنایا لہذا جس وقت ایسا حاکم

تمہارے درمیان حکم کرے اگر اس کی بات قبول نہ کی جائے تو یقیناً اس نے خدا کے حکم کو سبک سمجھا ہے۔ تاریخ میں ایسی مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں کہ مسلمانوں نے فقہاء کرام مجتہدین جامع الشرائط کی حاکمیت کو قبول کیا ہے۔

بعض حکام جو علماء مجتہدین کی شرعی حکومت سمجھتے تھے اور ان کو اپنا حاکم مانتے تھے۔ شیخ علی بن عبدالعالے محقق کرکی (عطر اللہ مرقدہ) جو شاہ طہماسب صفوی کے زمانہ میں قزوین اور اصفہان آئے تو سلطان صفوی نے سلطنت وملک کو یہ کہتے ہوئے آیت اللہ کرکی (ر،ہ) کے حوالہ کر دیا کہ آپ سلطنت وحکومت کے مجھ سے زیادہ سزاوار ہیں۔ کیونکہ آپ نائب امام علیہ السلام ہیں، سواء اس کے ممکن نہیں کہ میں خدمت گزار اور آپ کے حکم کے مطابق عمل کروں۔ اس کے بعد ارکان حکومت کو حکم دیا کہ آیت اللہ کرکی جو نائب امام ہیں ان کی اطاعت کریں (٦)۔

اس بیان کے بعد گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ کوئی دینی حاکمیت میں شک کرے دراصل مرجع دینی کو ہی حق ہے کہ قرآن کے اصول وقوانین پر مشتمل اسلامی معاشرہ کی باگ ڈور سنبھالے۔ آج یہ طریقہ کار بن چکا ہے کہ ہر شعبہ میں اس کے ماہرین فن کو ترجیح دیتے ہیں، امت مسلمہ ان قرآنی خطاب میں براہ راست یا واسطہ سے ذمہ دار ہے۔

﴿ یاایھاالذین آمنو لاتتخذو الیھود والنصاریٰ اولیاء ﴾

قرآن میں صاف لفظوں میں یہود ونصاری کی سرپرستی وحاکمیت کا انکار ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ قرآن حکومت وقیادت کا منکر ہے۔ نہیں، بلکہ باطل کی حاکمیت کا انکار ہے۔

﴿ لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا ﴾ (٧)

مومنین پر کافروں کی حکومت کیلئے نفی کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ منادی حق وعدالت حضرت امام علی علیہ السلام نے معاویہ کیلئے جو خلیفۃ المسلمین سمجھا جاتا تھا، فرماتے ہیں:

﴿ ومتی کنتم یامعاویه ساسة الرعیة وولا ة امر الامة بغیر قدم سابق ولا شرف باسق ﴾

اے معاویہ، تم کب سے اور کہاں سے لوگوں کے صلاح اندیش اور قوم کی تقدیر کے مالک ہو گئے۔ جبکہ نہ کسی امر دینی میں سبقت کی اور نہ ہی کوئی شرف و مرتبہ کا حامل تھا (۸)

یعنی امام علیہ السلام کی نظر میں جب معاویہ جیسا شخص جو ظاہری طور پر مسلمانوں کا خلیفہ سمجھا جاتا تھا وہ اسلامی قیادت کے مقدس شرائط سے میل نہیں کھاتا۔ لہذا جو اسلام کے اصول و قوانین سے واقف نہ ہو وہ مسلمانوں کا کیسے حاکم بن سکتا ہے؟ دوسری جانب نظام کائنات کی خصوصیت بھی کچھ اس طرح ہے کہ ہر چیز یا ہر شخص یا ہر جماعت دوسری چیز یا شخص یا جماعت کے مقابلہ میں اپنی ہستی برقرار رکھنے کے لیے جنگ کرتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا اور نیکی کو اللہ اپنی حمایت میں لیکر بدی کے مقابلہ میں کھڑا نہ کرتا تو نیکی کا نشان زمین پر باقی نہ رہتا۔ بد دین اور شریر لوگ جن کی ہر زمانہ میں کثرت رہی ہے تمام مقدس مقامات یادگاریں ہمیشہ کے لیے صفحہ ہستی سے مٹا دیتے۔ (۹)

﴿ المنافقون والمنافقات بعضهم من بعض یامرون بالمنکر ﴾ (۱۰)

منافق تو ہر ممکن منکرات اور اسلام کے خلاف تبلیغ کر رہے ہیں اور اسلام حقیقی کو صفحہ ہستی سے محو کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ کبھی نہیں چاہتے کہ صحیح اسلام دنیا میں پنپ سکے۔ ایسا نہ ہو کہ آئین اسلام کے لوگ گرویدہ ہو جائیں اور خود ساختہ، سامراجی پرداختہ اصول کو زوال آجائے۔ اب اسلام اور اس کے مقدسات سے دفاع بلاخلاف دلیل عقلی، سے ثابت ہے اور مہم فرائض میں شمار ہوتا ہے۔

﴿ أذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم لقدیر ﴾ (۱۱)

جن لوگوں سے مسلسل جنگ کی جارہی ہے انہیں ان کی مظلومیت کی بنا پر جہاد کی اجازت دی گئی ہے اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اب اگر دشمنان اسلام مقدسات اور شعائر الٰھی پر حملہ کریں تو کون دفاع کرے گا؟ کیا بغیر نظم وضبط اور قیادت کے ممکن ہے؟ کیا سارے امور بغیر کسی دینی مرجعیت کے انجام پا سکتے ہیں؟ جب قرآن نے طاغوت کی قیادت سے منع کیا ہے تو عادل، متدین صفات اولیاء و انبیاء سے متصف مجتهد جامع الشرائط کی پیروی کرنا ہمارا فریضہ ہے اور اسی چیز کو اسلامی سیاست بھی کہتے ہیں کہ نظام کو آئین اسلام کے سانچے میں ڈھال کر مسلمانوں کے حقوق، وقار اور مختلف شعبوں میں ان کی حفاظت ہو سکے۔

....

۱) س النجم ۳-۴

۲) شئون واختیارات ولی فقیه ص ٤٣ ۔ امام خمینی (ره)

۳) اصول ج اص ۴۶/ح ۵

۴) وسائل الشیعه ج ۱۸ ص ۹۸ / ۹۹

۵) حواله مزکور ص ۵

۶) قانون اساسی اسلام ۔ حسن فرید قم

۷) نساء ۱۴۱

۸) نهج البلاغه نامه ۱۰

۹) ترجمه وتفسیر ۔ڈاکٹر شبیر عثمان ۔ مکه مکرمه۔ طبع شاه فهد

۱۰) سوره توبه ٦٨ ۱۱) سوره حج ۳۹

باب چہارم

قضاوت

ابوخدیجہ سے روایت ہے کہ مجھ سے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا :

﴿ انظروا الی رجل منکم یعلم شیئا من قضایا نا فاجعلوہ بینکم، فانی قد جعلتہ قاضیا، فتحاکموا الیہ ﴾ (۱)

اپنے فیصلوں کے لئے ان لوگوں کو تلاش کرو جو ہمارے علم قضاوت سے کچھ واقف ہوں کیونکہ ہم ہی نے انہیں قاضی بنایا ہے۔ لہذا اپنے فیصلوں کے لیے ان کو اپنے درمیان قاضی قراردو۔

"خداوندعالم اپنے بندوں سے ان تمام چیزوں کے بارے میں سوال کریگا جنکا ان سے عھد وپیمان لے چکا ھے۔ سوائے ان چیزوں کے جن کا شرعی قضاوت کے ذریعہ فیصلہ ھو چکا ھے"

....

۱) تهذیب ج ٦ ص ۲۱۹

قضاوت لغت اور اصطلاح میں

قضاء: لغت میں بہت سے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: علم، قول، امر، خلق، اعلام، فعل، قضاء، فرمان یا حکم کرنا (منتہی الارب اقرب الموارد) قضا ربک یعنی امر و حکم ربک، فتوی دینا، رائی قائم کرنا اور ادا کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

قضاء :

ایسی عبادت جو وقت معین کے علاوہ بجالائی جائے۔ شرع میں: لڑائی جھگڑے کا دور کرنا اور موجودہ نزاع کا ختم کرنا، (۱) قضا کا لغوی معنی جو کتاب الفقہ ''اللمعہ الدمشقیہ'' میں بیان ہوا ہے وہ بمعنی حکم کرنا ہے قرآن سے اسکی تصدیق ہوئی ہے: واللہ یقضی بالحق: اللہ تعالیٰ حق و انصاف کا حکم کرتا ہے اصحاب عرف میں ﴿ ھو فصل الخصومة بین المتخاصمین ﴾ دونوں فریق میں دشمنی کو دور کرنا۔

﴿ اقول: والظاھر ان القضا ھو(الحکم) وھواحد معانیه المذکوره فی اللغت ، وھوالانسب بموارد استعماله ومنھا قوله اقضاکم علی ولا معنی للامامة الا القضاء باحکا م الله وھو المراد باولی الامر الواجبة (۲) طاعتھم بقوله اطیعوالله واطیعوا الرسول واولی الامرمنکم والمراده الحکم والقضاء ولھذا

کان حکمافی قضیة الامامة یوم السقیفة دون غیرہ ﴾(۳)
قضاوت کے مذکورہ لغوی معنوں میں جو استعمال کے لحاظ سے زیادہ مناسب بھی
ہے وہ حکم کرنے کے معنوں میں آیا ہے منجملہ معنوں میں سے رسول اکرمؐ کا ارشاد: کہ (اے
لوگوں) تمہارے درمیان سب سے زیادہ علم قضاوت کے جاننے والے علی ابن ابی طالب
ہیں نیز احکام خداوندی میں امامت کے معنی قضاوت (حکم) کرنے کے ہیں۔ اور امامت
کے معنی بھی سوائے اس کے کچھ اور نہیں ہے کہ وہ احکام خدا کے مطابق حکم کرے، اولی
الامر سے مراد بھی یہی ہے کہ جس کی اطاعت لوگوں پر واجب ہے "اطیعوا اللہ واطیعوا
الرسول واولی الامر منکم" اس کا مطلب حکم اور قضاوت کے ہے اور یہی وجہ ہے کہ روز
سقیفہ جو حکم اور قضاوت امامت کے سلسلے میں ہوئی وہ معنی امامت کے برخلاف ہوئی۔
شیعہ فقہاء قضاوت کو امامت کی ایک فرع جانتے ہیں۔ باب قضاوت بطور مطلق
اس پر دلالت کرتا ہے کہ حاکم شرع کو حکم کرنا چاہیے اور اس کا وظیفہ خصومت و دشمنی کو دور کرنا
اور عدل و حق کا حکم کرنا ہے۔

﴿ الحکم بین الناس ، وفصل الخصومة بینهم، واثبات دعوی المدعی
اونفی حق عن المدعی علیه ﴾

یا ولایت کے بارے میں ذکر ہوا ہے:

﴿ الحکم شرعا، ممن له اهلیه الفتوی بجزئیات القوانین الشرعیه
اشخاص معین باثبات الحقوق ﴾ (۴)

اب یہ قضاوت اور حکم کرنا لوگوں کے درمیان شرعی طور پر واجب کفائی ہے ایسے
شخص پر جو اس منصب کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یعنی اگر دس افراد قضاوت کی صلاحیت رکھتے
ہیں تو شروع میں سب پر واجب ہے کہ یہ انجام دیں مگر جب ان میں سے کوئی ایک پیش

قدمی کرے اور انجام دے تو دوسروں سے ساقط ہے اگر کوئی بھی انجام نہ دے تو سبھی گنہگار ہوں گے رہ گیا امام معصوم کے حضور میں امام کی ذمہ داری ہے کہ خود سے نائب کو معین کریں ،لیکن غیبت کے زمانہ میں فقیہ جامع اشرائط کا حکم نافذ ہے۔

مرحوم شہید اوّل فرماتے ہیں: ﴿ **هو ولاية شرعية على الحكم فى المصالح العامه من قبل الامام** ﴾ 'مجتہد' امام معصوم کی جانب سے لوگوں کی مصلحت کے پیش نظر فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے (۵)

مثال کے طور پر حضرت علی علیہ السلام جب ظاہری خلافت پر فایز ہوئے تو بعض جن میں جناب شریح کو قضاوت کے منصب پر معین کیا۔ یہ امام کی جانب سے اپنے معین شدہ شہروں میں پہنچ کر امام کے حکم کی روشنی میں قضاوت کے امور کی انجام دہی میں مشغول ہوئے ،لیکن جب ائمہ معصومین پر حکومتوں کی طرف سے پابندی عاید ہوئی تو عمومی صفات کے ذریعہ امام نے تعارف کرایا۔ مثال کے طور پر جو تمہارے ہم عقیدہ ہوں، جو ہماری حدیثوں کے راوی ہیں اور حلال وحرام کے مسائل میں صاحب نظر ہیں، ان کی طرف رجوع کرو۔

....

۱) لغت نامه دهخداج ۳۱ ص ۳۳۶

۲) کتاب القضاء : آیت الله محمدرضا الموسوی گلپایگانی .حطبة خیام قم

۳) مقدمه ابن خلدون ص ۱۹۷ انضید ج ۹ ص ۸۶

۴) فقه القضاء ص ۳۷ السید عبدالکریم الموسوی الادبیلی

۵) الدروس شهید محمد بن جمال الدین (مکی العاملی) از ینابیع الفقهیه ج ۳۳ ص ۳۷۷

مقدمہ

پروردگار عالم نے انسانی معاشرہ کی فلاح و بہبودی اور تکامل کے لئے جب اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا تو اس وقت عرب کی جہالت بام عروج پر تھی، انسانیت کرامت وشرافت کے بجائے سفاکیت و بربریت کی جانب بڑھ رہی تھی۔ ایسے حالات میں عرب کی سرزمین پر رسول اسلام کی آمد کے ساتھ قرآن حکیم کے نزول نے بشریت کو ایک نئی زندگی عطا کردی۔

قرآن کی روشنی میں رسول کے بلند کردار کے ساتھ حیات بشری کا راز کھلنے لگا، ہر شعبہ حیات میں ایک سلجھی ہوئی نئی فکر وراہ دکھانے والا انسان ساز معاشرہ وجود میں آنے لگا کیونکہ ان میں کاروان بشریت کو جادہ حق کی شاہراہ پر گامزن کرنے کی بھرپور قدرت تھی اور ان دونوں کی صداقت کا یہ عالم تھا کہ دشمن کو بھی انگشت نمائی کا موقع نہ مل سکا تھا، گویا امت کو منزل مقصود تک پہونچنے کے لئے رسول جیسی شہرہ آفاق شخصیت ملی، جس کی پیروی میں خدا کی اطاعت مضمر تھی۔

تمام ادیان میں قضاوت کی ضرورت

یہ بات انسان کی طبیعت میں پائی جاتی ہے کہ وہ خود امن وسلامتی کا خواہاں ہوتا ہے۔ دنیا بھر میں ہر قوم وقبیلہ مذہب وملت ایک منظم قانون کے تحت زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ اسی لیے ہر مذہب اور مکتب فکر کے لوگ انسانیت کے مصالح، حیثیت، شان واقتدار اور نظم وضبط کی حفاظت کی تاکید کرتے ہیں۔

دوسری جانب لوگ دوسروں کے اموال میں حریص، جنسی شہوت میں عموماً غیر متوازن ہیں۔ بنی آدم میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے۔ "الحرص وطول الامل" (حرص اور طولانی خواہشات) جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

﴿ یرید المرء ان یعطی مناہ" "ویابی اللہ الا ما اراد ﴾

انسان چاہتا ہے کہ اسے سب کچھ عطا کر دیا جائے مگر اللہ وہی عطا کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔

غرض یہ بے اعتدالی جسکا اقرار ہر صاحب مذہب ومکتب فکر کو ہے، اس کے لئے ایک مضبوط قانون کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ سے سماج کو ادارہ کیا جا سکے۔ یہی نظام کی سلامتی کا ضامن ہوتا ہے۔ اسی بنیاد پر ہر قوم ومذہب نے آپسی دشمنی، اختلاف، حق خواہی

اور ناانصافی چوری اور دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے ملک و معاشرہ میں امر قضاوت اور عدالتوں کا رواج دیا تا کہ لوگوں کے درمیان امن وعدل قائم ہو سکے۔ اور سبھی کے حقوق کی حفاظت ہو سکے۔

کیونکہ اگر عدل ومساوات نہ رہا تو معاشرہ کا انسجام وانتظام سالم نہ رہ سکے گا۔ ظلم وفساد اور حقوق کی پائمالی ہوگی۔ اسطرح کے واقعات سے معاشرہ کی کمزوری اور حکومتوں کی نااہلی سمجھی جائے گی بسا اوقات حکومتوں کا سقوط معاشرہ کا اختلاف انھیں بے عدالتی ناانصافی کے سبب ہوتا ہے۔

چنانچہ اسی بنا پر مقدرات کی حفاظت کے لیے ہر جگہ ہر ملک میں عدل وانصاف کو پروان چڑھانے کے لیے عدالتوں کا قیام عمل میں آیا اور اسی پر ہر ملک وحکومت کا استقلال واستحکام منحصر ہوتا ہے۔ تمام معاملات کو انھیں عدالت وقضاوت کے ذریعہ حل وفصل کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر امریکہ کے نظام عدالت میں بھی ماہرین قانون اور عدالتوں کا وجود پایا جاتا ہے جو ملکی نظام کا ایک حساس اور بنیادی شعبہ ہے۔ (۱)

---

۱) انسائیکوپیڈیا مادہ ججمینٹ اور کورٹ (امریکا)

عقل کا تقاضا

بڑی عام بات ہے کہ دنیاوی حکام اگر خود ظالم ، بدکردار ہی کیوں نہ ہوں لیکن جب وہ اپنے ارکان حکومت کا انتخاب کرتے ہیں تو نہایت احتیاط اور چھان بین کرتے ہیں تا کہ کوئی ظالم فرد بھی ارکان مملکت میں نہ آنے پائے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ خود حکومت کے استقلال کو خطرہ ہے کیونکہ اعضاء حکومت میں جب متدین لوگ نہ ہوں گے تو ان سب کے عدل وانصاف کی رعایت نہ کرنے سے لوگوں کے درمیان حق وعدالت پہ مبنی فیصلہ نہیں ہوگا۔ پھر یہ بات موجب بنے گی کہ عوام برہم ہوکر غیض وغضب میں ایسی حکومت کے مقابلہ میں قیام کردیں گے۔ نتیجہ میں انقلاب رونما ہوجائیگا اور وہ حکومت ختم ہوجائے گی۔ مگر یہ کہ حکمراں اپنی حکومت کے تحفظ میں اصول حکومت کو پائمال نہ کریں۔ لوگوں اور حکمرانوں کے مابین حقوق کی حق تلفی نہ ہو۔ فرق نہیں دنیاوی حکومت کی مانند مسلمان حکمرانوں نے بھی اپنے اقتدار ومفاد کی خاطر یہی طریقہ کار اپنا رکھا ہے۔ اسکی دو وجہ ممکن ہے اوّل حق وعدالت اور احکام شریعت کے نفاذ پر قدرت نہیں اور دوسرے وابستہ ممالک سے مفاد نہیں مل سکے گا، جس سے حکومت اور ملت پر قبضہ باقی ہے، لہذا سیاست کے تحت کسی ایک کی پیروی کی ۔ اسلام اس کا مخالف ہے۔

﴿ ولاترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار ومالکم من دون الله من اولیاء ثم لا تنصرون ﴾ (۱)

ظلم کرنے والوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں ان کی طرف ذرا سا میلان بھی نہ ہو ان کے ساتھ موالات، مصاحبت، تعظیم، مدح، تشبیہ اور اشتراک عمل میں حسب مقدور پرہیز کرو۔ تاکہ مبادا آگ کی لپیٹ میں نہ پڑ جاؤ اور خدا کی نصرت سے محروم ہو جاؤ۔

کیونکہ جائر اور ظالم حاکم کا قبول کرنا، اس کی اعانت کرنا طاغوت کی حکومت کو مدد پہونچانے کے مترادف ہے۔

﴿ الم تری الی الذین یزعمون انهم آمنوا بماانزل الیك وماانزل من قبلك یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقدامروا ان یکفروا به ویرید الشیطان ان یضلهم ضلالا بعیداً ﴾ (۲)

اے نبی! تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس کتاب پر جو اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور جو اس سے پہلے نازل کیجا چکی تھی، یہ چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوتکی طرف رجوع کریں حالانکہ انھیں طاغوت سے دوری کرنے کا حکم دیا گیا ہے شیطان انھیں بہکا کر بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔

مودودی نے آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ: اسلام کے پورے مذہبی، تمدنی اور سیاسی نظام کی بنیاد اور اسلامی ریاست کے چار اصول بیان کیے گئے ہیں:

۱) : اسلامی نظام میں اصل خدا کی اطاعت ہے۔

۲) : نظام کی دوسری بنیاد رسول کی اطاعت ہے۔

۳): مذکورہ اطاعت کے بعد اولی الامر جسکے مفہوم میں سب شامل ہیں جو مسلمانوں

کے اجتماعی معاملات کے سربراہ ہوں، علماء ہوں یا سیاسی رہنما یا ملکی انتظام کرنے والے حکام یا عدالتی فیصلہ کرنے والے جج۔

۴) : خدا کا حکم اور رسول کا طریقہ بنیادی قانون اور آخری سند ہے۔ مسلمانوں کے درمیان یا حکومت اور رعایا کے درمیان جس مسئلہ میں بھی نزاع واقع ہوگی اسمیں فیصلہ کے لیے قرآن اور سنت کی طرف رجوع کیا جائیگا اور جو فیصلہ ہوگا اس کے سامنے سب کو سر تسلیم خم کرنا ہوگا۔ (۳)

....

۱) سورہ ھود ۱۱۳

۲) نساء ۶۰ / ۶۱۔

۳) ترجمہ قرآن مع حواشی ۔سیدابوالاعلی مودودی (ادارہ قرآن)

قضاوت اسلام کا بنیادی عنصر ہے

آئین اسلام میں تمام لوگ انسانی حقوق میں برابر ہیں۔ بادشاہ ہوں یا اسکی رعایا امیر ہوں یا عوام، صاحبان تمول ہوں یا فقراء یہاں تک کہ کسی کا مال اسکی رضا کے بغیر لینا یا کسی کا استحصال جائز نہیں، گنہگار پر عائد حدود وقصاص میں کسی کی سفارش قابل قبول نہیں۔

وامرت لاعدل بينكم (۱) اور مجھ کو حکم ہے کہ تمھارے درمیان انصاف کروں۔ **ان الله يامركم بالعدل والاحسان** (۲) اللہ انصاف اور بھلائی کرنے کا حکم کرتا ہے۔ **اعدلوا هواقرب للتقوىٰ** (۳) عدل کرو یہی بات تقویٰ سے زیادہ نزدیک ہے۔ **واذاقلتم فاعدلوا** (۴) جب بھی بات کہو تو حق کہو۔ **ان الله يامركم ان تودوا الامانات الى اهلها** (۵) بیشک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اس کے مالک تک پہونچاؤ۔ **واذحكمتم بين الناس ان تحكموٗ بالعدل** جب بھی لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف وعدل کا فیصلہ کرو کیونکہ زمین وآسمان اور اسمیں جو کچھ بھی ہے عدل وانصاف پر قائم ہے۔ عالم طبیعت میں تزاحم اور تصادم ہے لہذا جب بھی عدل وحق کو نظر انداز کیا جائے گا، انسان اپنی خواہشات کے مطابق اپنی قدرت اور غلبہ سے کسی کا حق ہڑپ کر کے یا کسی کو مکر وفریب کے ذریعہ غافل کر کے غلط استفادہ کریگا تو اختلاف، انتشار، قتل، بدکاری، حقوق کی پائمالی جیسی

صورتیں پیش آئیں گیں۔ یہاں قرآنی تعلیم ہی انسانی شرافت کو بچا سکتی ہے۔ **یستفتونك قل اللہ یفتیکم فی الکلالہ** (۶) تجھ سے حکم پوچھتے ہیں تو کہہ دیجئے کہ اللہ تمھیں کلالہ (سوتیلے بھائی بہن کے ارث) کا حکم بتاتا ہے۔ **انما اقضی بینکم بالبینات و الایمان** (۷) قضاوت کے بعد اس سے روگردانی کرنا حرام ہے بلکہ اس پر عمل واجب ہے پیغمبر اکرم (ص) اسی حکم کے ضمن میں ایک قوم کا دوسری سے رابطہ یا قطع تعلق، اموال واسباب کا ضبط یا مدینہ سے یہودیوں کا اخراج جیسے دستور کی رعایت کرتے ہوئے کوئی فیصلہ فرماتے تھے۔ رسول کے بعد امام معصومؑ اور ان کے نائب خاص جناب مالک اشتر اور جناب مسلم بن عقیل کے لیے بھی وہ حکم ثابت ہے۔ امام علی علیہ السلام نے مالک اشتر کو اس سلسلے میں ایک جامع آئین دیا جو حق ومساوات اور قانون آسمانی پہ مبنی تھا۔ نہج البلاغہ میں امام فرماتے ہیں:

﴿ **ثم اختر للحکم بین الناس افضل رعیتك فی نفسك ممن لاتضیق به الامور ولاتمحکه الخصوم ولایتمادی فی الزلة** ﴾ اے مالک! قضاوت کے لیے لوگوں میں سے بہترین شخص کا انتخاب کرو، جو سخت اور دشوار کاموں کے سبب تنگ نہ آئے، جدالی گفتگو میں غضبناک نہ ہو، لغزش وخطا میں لجاجت محسوس نہ کرے۔ حق جان لینے کے بعد اسکی طرف پلٹنے میں تنگی کا خیال نہ کرے یعنی وہ حق سے منحرف نہ ہو اور اس کا نفس حرص وہوس کے جال میں نہ پڑ جائے۔ پہلی نظر میں بغیر تحقیق وتفتیش کے معمولی طریقہ سے فیصلہ نہ کرے۔ اسطرح قاضی شک وشبہات میں بہت آگاہ اور دلیل وبرہان کے قائم کرنے میں قدرت مند ، حریف کے مراجعہ اور دادخواہی میں بہت شکیبا اور پر حوصلہ ہو۔ امر قضاوت کو واضح ہونے حکم کے معلوم ہونے کے بعد عزم بہت استوار ہو۔ ایسا نہ ہو کہ بے جا ستایش سے خود پسندی اور غرور میں مبتلا ہو جائے اور نہ ہی نیرنگ ومکر حق سے منحرف کر سکے۔ البتہ ایسے لوگ کم ہیں پھر قضاوت کے تمام کاموں میں پابند رہنا چاہیے دوسری طرف ان کے حق میں ایسی سخاوت

وفراخ دلی کا ثبوت دوتا کہ اسکی ضرورت اور دوسرا بہانہ برطرف ہوجائے اور لوگوں کا محتاج نہ ہواور اس کو ایسا مقام ومرتبہ دو کہ تمھارے قریبی لالچ کی امید نہ لگائیں اسطرح اسکا دل مطمئن ہوگا لہذا، ہوشیار و دقیق نظر رکھو کیونکہ یہ دین ایک مدت تک اشرار کے ہاتھوں اسیر تھا۔

جنہوں نے دل خواہ کام کیا، کیونکہ ان کا مطمع نظر دینا تھی۔اسطرح قرآنی ہدایت اور احادیث سے قضاوت کا حکم شریعت میں ثابت ہے۔ عقل کا بھی یہی تقاضا ہے کہ لوگوں کے درمیان احکام خدا کی جانب سے ہوں اور ان کے نفاذ کیلئے ایک ولی ہو جس سے مظلوم اور کمزور لوگوں کا انھیں حق دیا جاسکے۔بار ہا تاکید ہوئی ہے کہ قوانین الہٰی کو بنیاد بنا کر فیصلہ کیا جائے اور جہاں بھی کسی طرح کا شک وابہام ہو وہاں اپنی جانب سے قیاس آرائی نہ کی جائے البتہ خدا ور سول کے حکم کے ساتھ صلحاء کی رائ اور فقہاء کے استنباط کا بھی پورا پورا احترام کیا گیا ہے۔ابن مسعود (رض) سے نقل ہوا کہ: ﴿ **من عرض له منکم قضا فلیقض بما فی کتاب الله فان لم یکن فی کتاب الله فلیقض بما قضی به نبیه فان جاء امر لیس فی کتاب الله ولم یقض به نبیه فلیقض بما قضی به الصالحون فان جاء امر لیس فی کتاب الله ولم یقض به الصالحون فلیجتهد رایه فان لم یحسن فلیقم ولا یستحی** ﴾ (۸) تم میں جنھیں قضاوت کا امر لاحق ہو تو قرآن سے اس کا فیصلہ کرو اور جب کتاب خدا میں نہ پاؤ تو نبی کے امر کے مطابق فیصلہ کرو اور اگر کوئی ایسا امر پیش آجائے کہ کتاب خدا اور سنت نبی دونوں میں نہ ہو تو صالحین کے فیصلہ کے مطابق اور اگر قرآن، سنت اور صالحین سے فیصلہ نہ ہوسکے تو خود اجتہاد کرو اور اب بھی فیصلہ نہ ہوسکے تو ترک کردو اور اس کو نہ جاننے پر (فیصلہ نہ کرنے کے سبب) شرم نہ کرو۔

....

۱) شوری ۱۵ ۲) نحل ۹۰ ۳) مائدہ ۸ ۴) انعام ۱۵۲ ۵) نساء ۵۸

۶) نساء ۱۷۶ ۷) کافی ۷ ص ۴۱۴ ح ۱ ۸) الامام جعفر الصادق ص ۲۹۳

قاضی اور اس کے شرائط

قاضی وہ ہے کہ جس میں فتوی اور فیصلہ دینے کی صلاحیت ہو یعنی جو عاقل، بالغ، مرد، باایمان، عادل، حلال زادہ، آزاد اور صاحب بصیرت کے ساتھ درجہ اجتہاد پر فائز بھی ہو۔ اجتہاد کی قدرت نیز قرآن اور اس کی آیتوں کے احکام کو کم از کم اچھی طرح سمجھ سکے اور جب چاہے رجوع کر سکے۔ سنت اس حد تک کہ جو حدیثیں احکام سے متعلق ہیں انھیں پہچانے۔ اجماع میں اس مقدار تک معلوم ہونا چاہیے کہ جو فتویٰ دے رہا ہے اجماع کے مخالف تو نہیں ہے یا دلیل عقل میں اس حد تک کہ عقل کے ذریعہ حکم شرع کا وصول اس صورت میں بھی کہ وہ بغیر شریعت کی مدد کے یعنی وہ مستقلات عقلیہ کے ذریعہ جیسے ظلم حرام ہے یا امانت کا واپس کرنا واجب ہے وغیرہ درک رکھتا ہو۔ قاضی کے لئے چند شرائط ہیں:

پہلی شرط: یہ ہے کہ قاضی مجتہد ہو، کیونکہ عرف عام میں قضاوت کو علماء انجام دیتے ہیں نہ جہلاء۔ اگر امور جزئیہ جیسے ٹرافک، میاں بیوی کے مسائل یا بنیکنگ میں چیک ڈرافٹ وغیرہ میں غیر مجتہد علماء اور ماہرین بھی حل کر سکتے ہیں۔ لیکن اجراء حدود، قصاص اور ہاتھ کا قطع کرنا یہ سب مجتہد کے ذمہ ہیں۔

دوسری شرط: حلال زادہ کی شرط ہے لہذا اگر لوگ کسی کو غیر حلال زادہ جانیں

تو اس سے قضاوت نہیں کرانی چاہیے کیونکہ شہادت اور امامت اسکی قبول نہیں ہے۔

تیسری شرط: رجولیت (مرد ہونے) کی شرط اس وجہ سے ہے کہ عورت کی ذات میں الطاف و مہربانی مرد کی نسبت زیادہ ہوتی ہے اور اس طرح گرداب حوادث میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ قوی روحیہ اور استقلال مرد کی نسبت کم ہونے سے جلد مغلوب ہو جاتی ہے جبکہ کورٹ ایسی جگہ ہے کہ مختلف قسم کے لوگوں کی رفت و آمد کہ جن پر قدرت وغلبہ پانا ایک خاتون کے لیے مشکل ہوگا۔ دیگر بلوغ، عقل، ایمان عدالت، علم، کتابت، سماعت اور بصارت، نطق و حریت وغیرہ بھی خاص شرطیں ہیں۔

قاضی کے علم کی حجیت

حجیت لغت میں ایک ایسی چیز جو صلاحیت رکھتی ہو کہ اس کے ذریعہ دوسری چیز کے بارے میں استدلال کیا جائے۔

اصول میں حجیت اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنے متعلق کو ثابت کرتی ہے۔

یعنی: **كونه موجبا لتنجز التكليف فيما اصاب (١)**

اگر اسکا یقین واقع کے مطابق ہو اور اسی کی حکایت کرے تو تکلیف ثابت ہو جاتی ہے لہذا عقل یقین کی حالت میں اطاعت کو واجب جانتی ہے اور یقین کی حالت میں اس کے مطابق عمل نہ کرے تو یہ اپنی غرض کے مناسب نہیں ہے۔

﴿ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰه ﴾ (۱)

جس نے رسول کی اطاعت کی اسنے اللہ کی اطاعت کی ہے۔

﴿ وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا ﴾(۲)

اور جو کچھ رسول تمھیں دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کردیں اس سے باز آجاؤ۔

﴿ ولقد کان لکم فی رسول اللّٰه اسوۃ حسنة ﴾(۳)

بلاشبہہ تمھارے لئے رسول خداؐ کی ذات میں بہترین اسوہ موجود ہے۔

یہ آیتیں بتا رہی ہیں کہ رسول کی پوری حیات، نوع بشری کے لئے نمونہ ہے، اب اگر وہ رسول کسی امر کو لوگوں تک پہونچائیں تو بغیر چوں و چرا قبول کرنا فرض تھا، جو حاکم شرع کی حیثیت سے اب بھی امت تک پہونچ رہا ہے، لیکن دیکھا یہ گیا کہ جب رسول اللہ نے قوموں کی اصلاح کے لئے امر الٰہی کو لسان وحی سے پہونچایا تو لوگ اپنی سابقہ فہم و فکر اور ظرفیت کے اعتبار سے مسائل کو اخذ کرنے لگے۔ قرآن کی آیتوں اور رسول کی باتوں کا بھی اپنی علمی صلاحیت اور فکری لیاقت کے لحاظ سے نتیجہ گیری مختلف طرز پر کرنے لگے۔

اس سے بڑھ کر جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ کہ بعض افراد کا طرز تفکر، سیاست قدرت اور مال و ثروت پر مبنی تھا جو اپنے مفاد کے استحصال و اتخاذ کے لئے آیات قرآنی کے مصادیق اور رسول کی حدیثوں میں تاویل و توجیہ کرنے لگے بلکہ احادیث بھی وضع ہونے لگی، اپنے منصوبوں پر قرآن و حدیث کا غلاف چڑھانے لگے اور دینی قیادت پر بھی نظر طمع جم گئی۔

پیغمبر اسلام نے اس بے راہ روی اور تشتت سے تحفظ دیا اور اسلام کے تمام مسائل کا محور قرآن مقدس اور اہل بیت کو قرار دیا۔

علم قاضی سے کون سا علم مراد ہے؟

جو قاضی کا علم مراد ہے وہ احکام شرعیہ کا علم ہے۔ اور اُس کے لئے یہ بنیادی شرط ہے کہ احکام خدا کا عالم ہو اور وہ بھی حد اجتہاد تک پہنچ چکا ہو۔ کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ فقہی مسائل کو اصول کی دلیلوں سے استنباط کرنا چاہیے۔ اسی لئے علامہ حلّی نے بیان کیا ہے کہ "احکام سے جاہل شخص کی قضاوت منعقد نہیں ہوتی ہے۔(۲)

لہذا حق یہ ہے کہ علم کی پیروی ضروری ہے اور اس کی حجت قابل سلب نہیں ہے اسی طرح علم کے ذریعہ جب موضوع کا انکشاف ہو جائے تو حکم جاری ہو جاتا ہے۔

حاکم کو چاہیے کہ حق اللہ اور حق الناس میں اپنے علم و یقین سے فیصلہ کرے اگر اسباب کو جان لے تو حدود خدا کو جاری کرے۔ جسطرح شہادت اور اقرار ثابت ہو جائے تو زانی پر حد جاری کرتا ہے۔

صاحب جواہر: غیر معصوم قاضی اپنے علم سے حقوق الناس میں یقیناً فیصلہ کرے گا لیکن حقوق اللہ میں دو قول ہے۔ اور ان دونوں میں قضاوت کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

علم قاضی کی بھی تین قسمیں ہیں:

۱) حسی علم ہوتا ہے۔ جیسے حاکم نے شراب پیتے ہوئے دیکھا۔

۲) حسی نہ ہو لیکن حس سے قریب ہو جس طرح امام علی علیہ السلام کی قضاوت اس بچے کے بارے میں جسکی دو عورتیں مدعی تھیں انمیں ہر ایک کا دعویٰ تھا: کہ یہ بچہ میرا ہے۔ امام

نے کہا بچے کو دو حصہ میں تقسیم کر دو تو فوراً وہ حقیقی ماں بول اٹھی یا امیر المومنین بچہ کو ٹکڑے نہ کیجئے بلکہ اسی عورت کو دیدیا جائے۔ اسطرح بچہ اسکی ماں کو دیا گیا۔ مولا اور غلام میں اختلاف ہر دو آقا کا دعویٰ کر رہے تھے، امام نے دونوں سے کہا دیوار کے سوراخ میں سر ڈال دو اور قنبر سے کہا غلام کی گردن مار دو۔ فوراً جو غلام تھا سر نکال دیا، آقا کو نجات ملی اور غلام کو سزا۔

۳) فقط حس سے نہیں بلکہ قرائن کے ذریعہ پتہ کرنا، غرض شرعی قضاوت اور حدود کے نفاذ سے انسان دنیا و آخرت میں بھی نجات پاتا ہے۔ معاشرہ کی امنیت، لوگوں کو ہر طرح کے ظلم و حوادث سے طمانیت کے علاوہ بھی معنوی برکتیں ہیں۔

﴿ انه اذا كان يوم القيامة وجمع الله الخلائق سالهم ماعهد اليهم ولم يسئالهم عما قضى عليهم فالقضاء امانة الله، واذا كان القاضى يجرى عليه قضا الله فهومسئوول عمايجرى به قضاؤه على غيره ﴾(۳)

جب قیامت میں اللہ تمام مخلوق کو جمع کریگا تو جن چیزوں کا عہد لیا ہے اس کے بارے میں سؤال کرے گا لیکن جن امور میں قضاوت ہو چکی ہے ان کے بارے میں کوئی مطالبہ نہیں کرے گا۔

....

۱) مرحوم آخوند خراسانی۔ کفایۃ ج ۲ ص ۸

۲) علامہ حلی۔ قواعد الاحکام ۳) عبدالحلیم۔ امام جعفر صادقؑ

قضاوت کا فریضہ

قضاوت خود رسول اکرم (ص) اور ائمہ معصومین کا عہدہ ہے نیز فقیہ جامع الشرائط بھی قضاوت کا حق رکھتا ہے۔ اس معنی میں کہ اول سعی، پوری کوشش اور اجتہاد علمی کے ساتھ اصل قضاوت کے اصول اس کے منابع کو حاصل کر کے انھیں بنیاد پر کسی ذاتی تصرف کے بغیر اختلاف کو حل کرے۔

﴿ لولا ینھا ھم الربانیون والاحبار عن قولھم الاثم واکلھم السحت لبئس ماکانو یصنعون ﴾(۱)

آخر علماء جھوٹ بولنے والوں اور حرام کھانے والوں کو کیوں نہیں منع کرتے یقیناً بہت برا کام کر رہے ہیں۔

﴿ ولاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلو ابھا الی الحکام ﴾(۲)

ایک دوسرے کے ناحق مال کو نہ کھاؤ اور حکام کے حوالہ کر کے حرام طریقہ سے رشوت دیکر فیصلہ نہ کراؤ، جبکہ تم جانتے ہو کہ یہ گناہ کا کام ہے۔

حفص بن غیاث نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا حدود کا کون اقامہ کرے گا، سلطان یا قاضی؟ جواب دیا :

﴿ اقامة الحدود الی من الیه الحکم ﴾(۳)

اقامہ حدود الٰہی ان کی ذمہ داری ہے جنھیں حکومت دی گئی ہے۔

مرحوم شیخ مفید (رضوان اللہ تعالی علیہ) ناقل ہیں۔

﴿ فاما اقامة الحدود فهوالی سلطان الاسلام المنصوب من قبل الله وهم ائمة الهدى من آل محمد(ص) ومن نصبوه لذلك من الامراء والحكام وقدفوضوا اليه النظرفيه الى فقهاء الشيعتهم مع الامكان ﴾ (۴)

حدود کو نافذ کرنا ایسے اسلامی حاکم کے ذمہ ہے جو خدا کی طرف سے منصوب ہوا ہے اور وہ آل محمد (ص) سے ائمہ معصومینؑ ہیں۔ اسی طرح ایسے حکام کے ذمہ ہے جنھیں امام معصوم نے اس امر کیلئے نصب (معین) کیا ہے اور ائمہ نے امکان کی صورت میں فقہا شیعہ کو یہ حق تفویض کیا ہے۔

مرحوم مجلسی (رضوان اللہ تعالی علیہ) فرماتے ہیں :

﴿ ولاشك فى المنصوب الخاص ،فاما العام كاالفقيه فالظاهرمنه انه يقيم الحدود ﴾ (۵)

منصوب خاص کے بارے میں کوئی شک نہیں لیکن منصوب عام فقیہ کے مانند ہے، لہذا ظاہر دلیل یہ ہے کہ وہ (فقیہ) حدود و قصاص کو نافذ کرے۔

....

۱) س۔ مائدہ ۶۳

۲) س۔ بقرہ ۸۸

۳) وسائل اشیعہ ج ۲۷۔ ص ۳۰۰

۴) مقنعہ ص ۸۱۰

۵) روضة المتقین ج ص۲۱۴

اسلامی معاشرہ کو قاضی کی ضرورت

اب قضاوت کے ثابت ہونے کے بعد لوگوں پہ ضروری ہے کہ اپنے اختلاف کو فقہاء سے حل کریں۔ ابی خدیجہ سے روایت ہے کہ

﴿ انظروا الی رجل منکم یعلم شیئا من قضایانا فاجعلوہ بینکم، فانی قدجعلتہ قاضیا ،فتحاکموا الیہ ﴾ (۱)

ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ بخوبی جانچ لو کہ تمھارے درمیان کون شخص ہے جو ہمارے قضایا کو زیادہ جانتا ہے، بس اسی کو اپنے درمیان حاکم بناؤ بیشک ہم نے اسے قاضی بنایا۔ لہذا اپنے مسائل کو اسکے پاس فیصلہ کیلئے لے جاؤ۔

یہ بھی فرمایا تھا :

﴿ ایاکم ان یحاکم بعضکم بعضا الی اھل الجور ﴾

ہرگز ہرگز اپنے معاملات کو ظالم اور جائر حاکموں کے پاس نہ لے جاؤ۔

دوسری حدیث میں مقبولہ عمر بن حنظلہ (مقبولہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ علماء میں ان کا قول مقبول تھا) اور علامہ کلینی و شیخ صدوق نے بھی صحت کا حکم دیا ہے۔ عمر بن حنظلہ نے امام سے پوچھا :

﴿ سئلت اباعبداللہ عن رجلین من اصحابنا یکون بینھما منازعۃ فی

دین او میراث فتحاکموا الی سلطان او والی القضاۃ ایحل ذالك ؟ فقال : من تحاکم الی الطاغوت فحکم له فانما یاخذ سحت وان کان حقه ثابتا لانه اخذ بحکم الطاغوت ﴾ (۲)

ہمارے ہی دوستوں میں سے دو شخص نے آپس میں قرض اور میراث کے بارے میں اختلاف کیا اور سلطان یا قاضی سے محاکمہ کرایا، کیا اس کے لیے یہ حلال ہے؟ فرمایا جو طاغوت سے فیصلہ کرائے تو اسکا فیصلہ حرام ہے اگر چہ حق ثابت بھی ہو کیونکہ اس نے طاغوت کے ذریعہ سے فیصلہ لیا ہے۔

....

۱) التهذیب ج ٦ ص ۲۱۹ ح ۸

۲) وسائل الشیعه ج ۱۸ ص ۹۹

قاضی کے اختیارات

یہ ولایت فقط اللہ کے لیے ہے یا جو اسکی طرف سے اذن یافتہ ہیں وہ بھی مذکورہ شرائط کے ساتھ حق رکھتے ہیں قضاوت ولایت کا ہی ایک شعبہ ہے۔

﴿ والله يقضى بالحق والذين يدعون من دونه لايقضون بشىء ﴾ (۱)
خدا حق کا فیصلہ کرتا ہے اور اس کو چھوڑ کر یہ جن کو پکارتے ہیں وہ تو کوئی فیصلہ بھی نہیں کر سکتے ہیں۔

﴿ وماكان لمومن ولامومنة اذاقضى الله ورسوله امرا ﴾ (۲)
اور کسی ایمان دار مرد و عورت کا کام نہیں کہ جب اللہ اور اسکا رسول کوئی حکم کریں تو وہ بھی اپنے امر میں صاحب اختیار بن جائیں۔

﴿ ياداؤد انّ جعلناك خليفة فى الارض فاحكم بين الناس بالحق ﴾ (۳)
اے داود ہم نے تمھیں زمین پر نائب بنایا ہے تا کہ لوگوں کے درمیان انصاف کا فیصلہ کرو۔

مرحوم محقق آشتیانی: نے اس آیت سے استفادہ کیا ہے کہ فاحكم بين الناس قضا یعنی قضاوت کرنا ایک منصب ہے (۴)

قضاوت حکومت کا ایک جزء، اور لوگوں پر ایک طرح کی سلطنت ہے (۵) قضاوت کا اختیار اس معنی میں کہ احکامات کے اجراپر بھی متمکن ہو ورنہ اگر تنفیذ پر مقدور نہ ہو تو اسکا

معاشرہ میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔صحیحہ سلیمان بن خالد میں ہے کہ:

﴿ فی کتاب علی ان نبیا من الانبیاء شکاالی ربه فقال:یارب کیف اقضی فیما لم أرو لم یشهد؟ قال:فاوحی الله الیه:احکم بینهم بکتابی واضفهم الی اسمی فحلفهم به ،وقال هذالمن لم تقم له بینة﴾(۶)

کتاب علی میں آیا ہے کہ انبیاء میں سے ایک نبی نے پروردگار سے شکایت کی کہ اے اللہ جس امر میں مشاہدہ نہ کیا ہو، شہادت نہ ہوتو کس طرح فیصلہ کروں؟ فرمایا: اللہ نے وحی بھیجی، میری کتاب سے فیصلہ کرواوران میں میرے اسم کا اضافہ کرو یعنی میرے نام سے قسم کھائیں۔فرمایا یہ حلف (قسم) جن کے لیے شہادت نہ مل سکے ان کے لیے ہے۔

---

۱) غافر ۲۰

۲) احزاب ۳۶

۳) ص ۲۶

۴) فقه القضا۔السید عبدالکریم الموسوی الاردبیلی ص ۴۰

۵) انضید ج ۹ ص ۶۴

۶) الوسائل ۱۸ ص ۱۶۸۔ابواب کیفیة الحکم ح ۱

قاضی کے وظائف

قضاوت موارد جزئیہ میں حکم کا انشاء کرنا اور موضوع قضا کو معین کرنا ہے۔ جو کہ قاضی کا اہم فریضہ ہوتا ہے۔ اور جن امر میں قاضی حکم قطعی انشاء نہیں کرتا اس میں حدود اور امر کا نفاذ جایز نہیں ہے۔ اور مرافعات میں اگر چہ قاضی حل و فصل کرتا ہے لیکن اس کو قضاوت نہیں کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر میاں بیوی، وارثوں سے متعلق امور میں رفع ودفع اور انھیں راضی کرنا وغیرہ قاضی کے لئے چند امور کی رعایت ضروری ہے:

۱) قاضی پر واجب ہے کہ طرفین میں مساوات کی رعایت کرے اگر چہ دونوں فریق میں منصب ومقام کے اعتبار سے فرق ہو۔ مثال کے طور پر کلام کرنے میں، سلام اور اسکا جواب دینے، بات سننے میں اعتدال اور ہر ایک کے حق کی مراعات کرنا۔

۲) طرفین کے دعویٰ کی سماعت میں مساوات کرنا۔ مثال کے طور پر ایک نے بیان شروع کیا تو حاکم کو چاہیے کہ اسکو سنے اور تحقیق کرے، درمیان میں دوسرا مدعی پہلے کے دعوی کو کاٹنا چاہے اور کہے میں مدعی ہوں اور دعویٰ کا اقامہ کرے تو قاضی اس کی پرواہ نہ کرے بلکہ روک تھام کرے۔ پہلا دعوی ختم ہو تو چاہے کہ دوسرا اس کے دعویٰ کا جواب دے اور اپنا دفاع کرے اگر دونوں ساتھ بیان کرنا چاہیں تو قاضی کو چاہیے کہ داہنی طرف سے ابتدا کرے اور اس کی بات سنے۔ کیونکہ روایت میں ہے۔

﴿ قضی ان یقدم صاحب الیمین فی المجلس بالکلام ﴾

پیغمبر اکرم (ص) نے حکم دیا کہ جو مجلس قضاوت میں داہنی طرف ہو اسے مقدم کیا جائے اور اس کی بات سنی جائے۔

بعض فقہاء جیسے شیخ طوسی نے کہا ہے کہ قرعہ سے شروع کیا جائے۔

۳) اگر دونوں فریق والے قاضی کے سامنے خاموش بیٹھے رہیں تو قاضی بھی خاموش رہے تاوقتیکہ خود سے کلام نہ کریں البتہ قاضی موضوع میں دعوت دیکر سکوت کو توڑ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کہے تم میں جو مدعی ہو وہ شروع کرے۔ بحث طولانی ہونے کے سبب اسی پر اختصار کیا جا رہا ہے۔

قرآن واہل بیت کو اسلام کی بنیاد قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ انی تارك فیكم الثقلین كتاب الله و عترتی اهل بیتی ما ان تمسكتم بهما لن تضلوا بعدی ﴾ (۴)

میں تمھارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ، اللہ کی کتاب اور اپنے اہل بیت اگر تم ان دونوں سے متمسک رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

اس حدیث شریف پر شیعہ وسنی علماء کا اتفاق ہے لہٰذا اہل بیت رسول قرآن کے ترجمان ہوئے ، دونوں میں ایک نواخت اور ہماہنگی ہوئی ، جس طرح رسول قرآن کی تفسیر وتوضیح اور احکام الٰہی کو بیان فرماتے تھے ، اسی طرح اہل بیت پر بھی احکام کے بیان کی ذمہ داری عائد ہوئی چنانچہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب او دیگر ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے لوگوں کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری سنبھالی۔

مثال کے طور پر امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ علینا القاء الاصول وعلیكم ان تفرعوا ﴾ (۵)

﴿ علینا القاء الاصول وعلیكم التفریع ﴾ (۶)

احکام شریعت کے استنباط کے تئیں ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اصول بیان کردیں اور تم ان اصول کی روشنی میں فروع اور جزئیات کو حاصل کرو۔

اس سے بخوبی روشن ہو جاتا ہے کہ ائمہ نے اپنے دروس ، خطبوں اور مکاتبات کے ذریعہ منہج اجتہاد واستنباط کا زینہ فراہم کیا تا کہ انھیں اصول کی روشنی میں اپنے روزمرہ مسائل حاصل کرنے کی لوگوں میں صلاحیت پیدا ہو جائے۔

اگر چہ بیسوی صدی میں اجتہاد میں بڑی وسعت پیدا ہو گئی صدر اسلام میں ایسا نہ تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام جیسے جیسے عالمی پیمانہ پر پھیلتا گیا ویسے ہی مسائل بھی بڑھتے گئے

باب پنجم

مدرسہ اجتہاد

﴿ ویعلمهم الکتاب والحکمة ﴾ اور لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں

﴿ قال رسول الله (ص) انامدینة العلم وعلی بابها ، فمن اراد المدینة فلیأت الباب ، فمن اراد العلم فیأت الباب"،" انامدینة الجنة وانت بابها"، "انامیزان الحکمه وعلی لسانه ﴾ ﴿ انامدینة الحکمة وعلی بابها"،"انادار الحکمة وعلی بابها ، فمن اراد الحکمة فلیأت الباب ﴾ (۱)

رسول اکرم فرماتے ہیں میں شہر علم اور علی اُس کا دروازہ ہیں، لہذا جو شہر علم میں آنا چاہے وہ دروازے پر آئے، اے علی میں شہر جنت اور آپ اُس کا دروازہ ہیں، دوسری جگہ فرماتے ہیں: میں حکمت کا میزان اور علی اُس کی لسان ہیں، میں شہر حکمت ہوں اور علی اسکے دروازہ۔ میں دار حکمت ہوں اور علی اسکا دروازہ ، لہذا جو حکمت کا طلب گار ہو وہ دروازہ سے آئے۔

....

۱) سنن الترمذی ج ۵ باب ۸۷ ص ۳۰۱ قاهره، معجم الکبیر (طبرانی) ج ۳ ص ۱۰۸ ج/۱۱ ص ۵۵ ح ۱۱۰۶۱ قاهره، لسان المیزان (ابن حجر) ج ۱ ص ۱۹۷ قاهره، الصواعق المحرقه ص ۷۳ص ۱۲۰ح ۹ ،اسدالغابه ج ۴ ص ۲۲ قاهره۔

مدرسہ اجتہاد کا تاریخی جائزہ

انسان کی فلاح و بہبودی کا انحصار اس کے علم، ایمان اور عمل پر ہے۔ یہی اسلام کا اولین اور بنیادی مقصد ہے۔ خدا کے نمائندوں کی بعثت کا یہی مقصد رہا ہے۔

﴿ هوالذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة ﴾ (۱)

اللہ کی ذات وہ ہے کہ جس نے امیوں کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے لیے آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اور جسکو حکمت مل جائے گویا اُس نے خیر کثیر حاصل کرلیا۔ (۲)

خود پیغمبر اکرم (ص) کی بعثت کا مقصد بھی اسلامی تعلیم کو فروغ دینا، لوگوں کے نفسوں کا تزکیہ اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیکر انسان بنانا تھا۔ اب چونکہ رسول نوع بشری کو فضائل وکمالات اور مکارم اخلاق سے سنوارنے آئے تھے لہذا جب بھی کسی کو مستعد دیکھتے تو اصول کی تعلیم دے کر اسے شرک سے نجات دلاتے تھے۔ جس وقت آپ نے رسالت کا عام اعلان فرمایا، اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد بڑھنے لگی تو رسول نے خانہ خدا کے گرد نماز کے بعد قرائت قرآن اسکی تفسیر اور دیگر احکام بیان فرماتے اور مکتب وحی کے شاگرد احکام قرآنی سیکھتے تھے۔ مسجد مدینہ جسکو محمد مصطفیٰ اوران کے اصحاب نے ہجرت کے بعد تعمیر کیا پھر بعد میں توسیع ہوئی سب سے پہلے اسی مسجد کو کتاب وحکمت کی تعلیم کا مرکز بنایا گیا اور خاتم النبیین جیسی

شخصیت نے جو عقل کل اور اشرف رسل تھے، اسی درسگاہ میں مسلمانوں کو درس دیا آنحضرت کی تعلیم و تربیت کچھ ایسی مؤثر تھی کہ تھوڑی ہی مدت میں اہل علم حضرات کی تعداد بڑھنے لگی اور یہ تعداد تین سو تیرہ سے بڑھکر بارہ ہزار تک پہونچ گئی۔(۳)

مکہ میں ۱۳ سالہ سختی ومخالفت کے باوجود ایک ہمدرد اور مہربان معلم کی حیثیت سے رسول تعلیم دینے میں مشغول رہے۔فتح مکہ سے اور زیادہ ترقی ہوئی، چنانچہ خانہ کعبہ و مسجد الحرام ایک عظیم علمی مرکز کی شکل اختیار کرگئی۔پیغمبر اسلام کے علاوہ حضرت علی اور عبد اللہ بن عباس اس نئے اسلامی مدرسہ کے استاد ہوئے(۴)

جوں جوں تربیت اور معارف اسلامی کی تعلیم کا سلسلہ بڑھتا گیا اسی اعتبار سے ہر اس جگہ جہاں پہ لوگوں نے اسلام قبول کیا وہاں کی مسجد درسگاہ بنتی گئی۔غرض اسلام کا پہلا مدرسہ جو مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں شروع ہوا تھا اسکی برکت سے ہزاروں درسگاہیں (جیسے یمن، عراق، شام، مصر، افریقہ، ایران وغیرہ) وجود میں آئیں۔(۵)

﴿ وبلغ عدد المساجد التی بنیت فی عهد الرسول تسعة مساجد...... کانت مراکز العبادة والتعلیم ﴾ (۶)

رسول اکرم کے ہی زمانہ میں مسجدوں کی تعداد بڑھکر نو ہوگئی تھی جو عبادت کے ساتھ ساتھ تعلیم کا مرکز بنی ہوئی تھیں۔

مدینہ منورہ مسلمانوں کا پہلا مدرسہ جس میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور ان کے شیعوں نے علم وثقافت کے سلسلہ میں بحث شروع کی جن میں ابن عباس (حبر الامة) سلمان فارسی، ابوذر غفاری اور ابورافع قابل ذکر ہیں۔(۷)

عبد الحلیم الجندی مصری لکھتے ہیں: صحیح معنوں میں عظیم درسگاہ کی بنیاد امام جعفر صادق علیہ السلام نے رکھی جس کی ابتدا نبی اکرم (ص) سے ہو چکی تھی۔پہلی صدی ہجری کے بعد

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان لوگوں کو جنھوں نے آپ کے آباد اجداد سے علم حاصل کیا تھا، تعلیم دی اور شاگردوں کے افکار کو عقیدہ اور فقہ میں فروعات حاصل کرنے کے لیے آمادہ کیا جس کے آثار آج بھی باقی ہیں۔(۸)

منجملہ ان کے علقمہ بن قیس نخعی کا دولت کدہ فقہ کی تدریس کیلئے مدرسہ بنا ہوا تھا۔ بصرہ میں چھٹے امام کے ارد گرد شاگردوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی لوگوں کے لیے سوال و جواب کا سامان مہیا تھا۔ مدینہ منورہ میں تابعین کی ایک جماعت امام علی ابن الحسینؑ کے درس سے فارغ ہو کر نکلی۔ یہاں تک کہ حضرت باقر العلوم اور صادق آل محمد کا زمانہ آپہونچا اور طلاب کا ازدحام ہوتا گیا بلکہ ان دو اماموں کا بیت الشرف ہی مدرسہ بنا ہوا تھا۔ عبداللہ بن العاص مدینہ میں کتابت کی تعلیم پہ مامور تھے۔ مدینہ میں مسجد کے علاوہ مسلمانوں میں کسی کے گھر میں لوگ جمع ہو کر تعلیم کا سلسلہ جاری رکھتے تھے نئے مسلمان جو اسلام سے ملحق ہوتے تو انھیں مدینہ سے باہر اسلام و قرآن کی تعلیم دی جاتی تھی۔ فتح مکہ کے بعد معاذ بن جبل کو (جو فقیہ تھے) یمن بھیجا گیا۔

ابو عبیدہ بن الجراح، رافع بن مالک انصاری کو قرآن و سنت کی تعلیم کے لئے بھیجا گیا۔(۹)

اختلاف مذہب و مسلک کے باوجود بھی امام (جعفر صادق علیہ السلام) سب کا استقبال کرتے تھے۔

فقہ و کلام کی توسیع میں امام کے شاگردوں کا بڑا ہاتھ ہے جن میں ابو حنیفہ اور مالک بھی جو بعد میں صاحب مذہب ہو گئے امام کے ہی شاگرد تھے۔ واصل بن عطا جو مذہب اعتزال کا زعیم تھا امام کے شاگردوں میں شمار ہوتا ہے۔(۱۰)

اسلام کی تاکید کے علاوہ لوگوں کی زندگی پر امن رہے عدالت قائم ہو اور معاشرہ

کو صحیح راہ دکھانے اور مختلف مسائل کے حل و فصل کے لیے آج بھی علماء اور دانشوروں کی رہایشگاہیں آمد و رفت کا مرکز بن گئیں۔ اور اس سے بڑھکر شہروں اور متعدد علاقوں میں جہاں متبرک مقامات تھے اہل علم کا مرکز بنا، مساجد میں عبادت گزاروں کی مزاحمت کے سبب امامزادوں اور اولیاء خدا کی مقابر بھی درسگاہ بن گئیں۔ مزید سہولت کے لیے بعض علماء اور حکام کی توجہ مبذول ہوئی مثال کے طور پر سید شریف رضیؒ نے طالب علموں کی سکونت اور درسی نظام کے لیے ایک مکان خرید کر حوزہ علمیہ "دار العلم" بنایا۔

خواجہ نظام الملک (۴۸۵) نے پہلا مدرسہ بنایا پھر دوسروں نے ان کی پیروی کی اس سے پہلے ابن حبان بستی نے بھی ایک مدرسہ بنوایا تھا۔

ابن صباغ مالکی نقل کرتے ہیں ایک شخص مدینہ میں وارد مسجد ہوا تو دیکھا ایک طرف ایک شخص رسول اللہ سے حدیث نقل کر رہا ہے۔ لوگ اس کے گرد جمع ہیں۔ اس کے پاس آکر پوچھا مجھے شاہد و مشہود سے آگاہ کیجئے؟

جواب دیا۔ شاہد روز جمعہ اور مشہود روز عرفہ ہے۔ وہ شخص مطمئن نہ ہوا۔ دوسرے سے پوچھا تو جواب دیا۔ شاہد سے مراد روز جمعہ مشہود سے روز نحر (روز عید قربان) ہے۔ اس نے ایک تیسرے سے جو حدیث پیغمبر بیان کر رہا تھا اپنے سوال کا تکرار کیا تو اس نے جواب دیا: شاہد رسول اللہ اور مشہود قیامت کا دن ہے۔

ابن صباغ مالکی کی روایت سے صاف ظاہر ہے کہ مسجد میں بیک وقت کئی درس حدیث ہو رہے تھے۔ (۱۱)

عقاد نے امام حسین علیہ السلام کے حلقہ درس کی یوں تعریف و توصیف کی ہے۔

﴿اذا دخلت مسجد رسول الله فرأيت حلقة فيها قوم كان على رؤوسهم الطير فتلك حلقة ابى عبدالله﴾ (۱۲)

راوی کہتا ہے : جب میں مسجد رسول میں داخل ہوا تو ایک حلقہ (مجلس درس) دیکھا اس میں تمام کے تمام اس طرح خاموش بیٹھے تھے جیسے ان کے سروں پہ طائر بیٹھا ہو یہ حلقہ درس امام حسین علیہ السلام کا تھا۔

....

۱) س جمعہ / ۲ ۲) س بقرہ / ۲۶۹

۳) عمادالدین حسین اصفہانی کی کتاب زندگانی امام جعفرصادق علیہ السلام ج ۲ ص ۹۶

۴) حوزہ ھای علمیہ شیعہ ۔سید علیرضا سید کباری (پژوھشکدہ باقرالعلوم علیہ السلام)

۵) سیرحوزہ ھای علمی شیعہ ۔آیت اللہ لطف اللہ صافی ۔ أنتشارات اسلامی قم

۶) نظام الحکومت والادارہ فی الاسلام ۔ شیخ محمد مھدی شمس الدین ص ۵۶۵

۷) دور الشیعھفی بناء الحضار ۃ الاسلامیہ ص ۱۲۱ استادجعفر سبحانی ۔

۸) الامام جعفر الصادق ۔عبدا لحلیم الجندی ۔قاھرہ (مصر)

۹) نظام الحکومت والادارہ فی الاسلام ۔ شیخ محمد مھدی شمس الدین ص ۵۶۵

۱۰) الامام جعفرالصادق ۔ عبدالحلیم الجندی (مصر)

۱۱۔الفصول المھمہ،ص ۱۶۰

۱۲) ابو الشھداء الحسین ابن علی علیہ السلام ۔ عقاد ص ۵۸

مسجد کوفہ میں احادیث کی جمع آوری اور فقہ اسلامی کی ترویج

حضرت امام علیؑ جب مدینہ سے ہجرت کر کے کوفہ تشریف لائے تو مسجد کوفہ عالم اسلام کی درسگاہ بن گئی۔ جسمیں خود امام علی علیہ السلام جو جانشین رسول اور وارث علوم وحی و باب مدینۃ العلم تھے علم و دانش کی رغبت دلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

﴿ سلونی قبل ان تفقدونی ﴾

جو چاہو پوچھ لو قبل اس کے کہ تم مجھے اپنے درمیان سے کھو دو۔(۱)

آپ علم و یقین کے اس عظیم درجے پہ فائز تھے کہ آپ نے فرمایا:

﴿ لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا ﴾ (۲)

اگر میرے سامنے سے غیب کے سارے حجابات ہٹا دیے جائیں پھر بھی میرے یقین میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہیں ہوگا۔

آپ کے علمی آثار کا ادنیٰ نمونہ نہج البلاغہ ہے جس کو سید شریف رضیؒ نے جمع کیا ہے اس کتاب سے علوم و فنون کے سیکڑوں دریچہ کھلتے ہیں یہ کتاب قیامت تک کے لوگوں کی ہدایت اور اسلامی معاشرہ کو زندہ رکھنے کی ضامن ہے۔ امام نے مسجد کوفہ میں معارف اسلامی، اخلاق نبوی، حقوق انسانی وغیرہ کی ایسی تعلیم دی کہ جسکی دنیا والوں کے پاس مثال

نہیں ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کا دور علوم اسلامی کی اشاعت کا پہلا دور تھا جسمیں علم لغت، قرآن کی تفسیر فقہ وغیرہ پر جو کام ہوا وہ سب کا سب ہمارے سامنے تو نہیں ہے لیکن ان کے متعلق جو باتیں مورخین نے نقل کی ہیں ان کی روشنی میں اس دور میں پچیس پچاس کتابوں کا لکھا جانا کوئی بعید نہیں ہے۔ (۳)

مؤرخین نے صرف امام جعفر صادق علیہ اسلام کے عہد میں معروف اور غیر معروف کم وبیش چار ہزار کتابوں کے معرض تحریر میں آنے کا ذکر کیا ہے۔

محسن الامین لبنانی نے لکھا ہے: عہد امام علی علیہ السلام سے امام حسن عسکری علیہ السلام تک چھا نچھٹ ہزار کتابیں لکھی جا چکی تھیں۔

رجال کشی اور رجال نجاشی اور عین الغزال وغیرہ میں بھی کئی ہزار کتابوں اوران کے مصنفین کے نام موجود ہیں اور فہرست ابن ندیم ،فہرست شیخ طوسی اور کتاب الذریعہ میں بھی بے شمار کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے۔

مسجد کوفہ چھٹے امام کی درسگاہ تھی۔ حسن بن وشاء سے روایت ہے کہ میں نے مسجد کوفہ میں امام سے فیض یاب ہونے والے نوسو محدثین کو درک کیا کہ سبھی حضرت جعفر بن محمد سے حدیث نقل کررہے تھے اور سبھی کہتے تھے: **حدثنی جعفر بن محمد**۔ (۴)

اصحاب مجامیع میں ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی ، ابو جعفر محمد بن علی بن بابو یہ قمی معروف بہ شیخ صدوق، ابو جعفر محمد بن حسن طوسی نے جن کتابوں پر زیادہ اعتماد کیا ہے وہ چار سو اصل (اصول اربعۃ ماۃ) تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے محدثین اور فقہاء سے کوفہ چھلکنے لگا۔ جیسے ابان بن تغلب بن رباح الکوفی، محمد بن مسلم الطائی، زرارہ بن اعین وغیرہ کا ذکر مفصل طور پر کتاب رجال میں موجود ہے۔

ان فقہاء ومحدثین نے چھ ہزار چھ سو کتابیں تالیف کیں تفسیر وحدیث کے علاوہ

بعض سوال کے مقابلہ میں آیتوں میں اجمال ہے، تو بہت سے سوالات کا جواب واضح طور پر قرآن میں موجود نہیں اب ایسے مقام پر ضروری تھا امت مسلمہ کے روزمرہ مسائل کا کوئی جواب دہ ہو۔

چنانچہ حکم شرع کو دو طریقے سے حاصل کیا جاتا ہے:

ا۔ نص اور علم کے ذریعہ: جو قرآن، رسول اور اہل بیت سے بغیر شک وتردید حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ اجتہاد کے ذریعہ: مجتہد اجتہادی دلیلوں کے ذریعہ حکم حاصل کرتا ہے جیسے نماز وروزہ کے وجوب وغیرہ کا حکم اور اگر دلیل اجتہادی پر مقدور نہیں ہوتا تو پھر ایسے قواعد وضوابط کی طرف رجوع کرتا ہے جن کو ائمہ اہل بیت نے تعلیم فرمایا ہے، اب یہ اجتہاد کبھی امارہ میں ہوتا ہے اور کبھی اصول میں۔

اس فرق کے ساتھ کہ امارہ مکلّف کی تکلیف کو معین کرتا ہے یعنی کشف حکم کرتا ہے اور خطا کی صورت میں اعادہ کرنا پڑتا ہے۔

لیکن اصول مکلّف کے وظایف کو معین کرتا ہے (یعنی جو فرض حکم ہے نہ حکم کا کشف) لہٰذا اصول میں خطا کی صورت میں اعادہ نہیں ہے۔

انھیں اصول کو اصول عملیہ اور ان سے اخذ شدہ مسائل کو حکم ظاہری کہتے ہیں اس مقام پر علمائے عامہ جب کوئی دلیل نہیں پاتے تو قیاس، ظن، مصالح مرسلہ اور استحسان وغیرہ پر تکیہ کرتے ہیں اس سے بڑھ کر ان کا اعتقاد ہے کہ یہ سب قواعد کشف عن الواقع کرتے ہیں۔ یہی کشف اور واقع ہی تصویب ہے، گویا بحث طریقیت نہیں ہے اس طرح علماء اہل سنت کا مصوبہ ہونے کا مطلب ہے کہ جو مجتہد یا مفتی ظنی دلیلوں سے حکم حاصل کرتا ہے در

دوسرے علوم میں سیر حاصل بحث کی اور امام کے وجود بابرکت سے شاگردوں نے بے مثال فقہ وحدیث میں کتابیں تالیف کی۔ ہشام بن محمد سائب الکلبی نے دوسو سے زیادہ کتابیں، جناب ابن شاذان نے دوسواسی کتابیں، جناب ابن عمیر نے ایک سو چورانوے کتابیں، ابن دول نے سو کتابیں اور جابر بن حیان جو کہ علم کیمیا اور علوم طبیعی کے ماہر استاد تھے، انہوں نے پانچ سو رسالوں کو تالیف کیا اور تین سو سائنسی ٹیکنالوجی کو اختراع کیا، ان کے علاوہ بہت سے مؤلفین نے دوسرے علوم اسلامی میں کتابیں تالیف کی ہیں۔

....

۱) نهج البلاغه ۔کلمات قصار ۔

۲)۔ الذریعه ۔ج ۱ ص ۱۶۔

۳) شیعه کتب حدیث کی تاریخ و تدوین۔ سید حسین مرتضی ص ۷۶۔

۴) دورالشیعه فی بناء الحضارة الاسلامیة ص۱۲۳ استاد جعفر سبحانی۔

صادق آل محمد (ص) اور مدرسہ اجتہاد

جناب رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وفات کے بعد سیاسی حالات بد سے بدتر اور اسلام حقیقی کو منافقین کا سخت چیلنج ہوا۔ جائر حکام کی حدود اسلامی پر کڑی نظر تھی۔ معاویہ بن سفیان اور یزید بن معاویہ نے اسلام کے نام پر روح اسلام کو جو نقصان پہونچایا اس کا جبران ممکن نہیں۔

آزادی بیان نہ ہونے کی وجہ سے امام علی بن الحسینؑ نے اپنے زمانہ میں ادعیہ واذکار کے ذریعہ معارف اسلام کو زندہ رکھا اور دینی مدرسہ کی حفاظت اور عارفوں کے لیے تقرب وتوسل کا بہترین ذریعہ ایجاد فرمایا: جس کا مجموعہ آج بھی (صحیفہ سجادیہ) کے نام سے موجود ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کا زمانہ چونکہ اموی سلطنت کی تنزلی کا زمانہ تھا، لہذا آپ نے حالات سازگار پا کر ایک مضبوط علمی قلعہ کی بنیاد رکھی۔ جب یہ علم ترویج پانے لگا تو لوگوں کو علوم آل محمد (ص) کی شناخت ہوئی، امام محمد باقر علیہ السلام نے دوسرے علوم کا بھی اضافہ فرمایا، اسی لیے آپ کو باقر العلوم کہا جاتا ہے۔

﴿ سمی الباقر لانه بقر العلم ﴾ (۱)

آپ کا لقب باقر اس لیے پڑا کیونکہ آپ نے علم کے بے شمار باب باز کیے۔

جبکہ اس زمانہ میں وسائل بہت کم تھے۔ مثال کے طور پر لکھنے کے لیے وافی مقدار میں کاغذات نہ تھے۔ چنانچہ امام کے درس سے واپس جا کر طلاب لوح پر لکھتے پھر ان کو کاغذ پر نقل کرتے تھے۔ امام بغیر کسی کتاب کے درس دیتے تھے۔ حضرت امام صادق علیہ السلام جو علم وادب کے مرجع تھے اور جنکی اعلمیت کے بلا اختلاف علماء ومورخین قائل ہیں وہ بھی اپنے والد ماجد امام محمد باقر علیہ السلام کے درس میں حاضر ہوتے تھے۔

چنانچہ ۸۶ھ میں جب کہ امام صادق علیہ السلام تین سال کے تھے، ولید بن عبد الملک خلیفہ تھا اور عمر بن عبد العزیز مدینہ کا والی، جب مسجد نبوی کی توسیع کا کام دیکھنے آیا، تو اس نے دیکھا کہ مسجد میں امام باقر علیہ السلام تدریس میں مشغول ہیں جسمیں امام صادقؑ بھی شریک ہیں۔

﴿ کان اذاجلس بالمسجد تقوضت الیه الخلق،واخلیت له ساریة النبی فیجیئه الناس ﴾

جب امام مسجد میں آکر بیٹھتے تو لوگ ستون نبی اکرم (جہاں پہ بیٹھ کر نبی درس دیا کرتے تھے) کو خالی کردیتے اور سارے لوگ امام کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔

اور مختلف سوالات کرتے بعض وقت امام تھک جاتے تو اصحاب خاص کی طرف مراجعہ کرنے کا حکم فرماتے، مثال کے طور پر ابان بن تغلب کے متعلق آپ نے فرمایا: کہ ابان نے مجھ سے تیس ہزار حدیثیں سنی ہیں اور پھر لوگ ان سے روایت کرنے لگتے تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے معارف اسلامی کے علاوہ جغرافیہ، علم ہیئت، فلسفہ سائنس وغیرہ کی بھی تدریس کی۔ امام نے مسجد نبی میں قبر اور منبر کے بیچ کے حصہ کو مدرس قرار دیا اور نماز صبح کے بعد طلاب کے بیچ درس کہتے تھے۔

اسکے علاوہ گھر پہ بھی درس دیتے تھے (۲) ۲۵ سال کے عرصہ میں مختلف علوم وفنون

کو سکھایا اور آپ کے مدرسہ سے بارہ ہزار شاگردوں نے کسب فیض کیا جسمیں چار سو طلاب نے فقہ میں چار سو کتابیں تالیف و تصنیف کیں۔ (۳)

سید امیر علی نامور مورخ کے حوالہ سے مہدی پیشوائی لکھتے ہیں:

فتاوی اور دینی نظریات میں فاطمی سادات کا ہی چرچا تھا، علم کی توسیع نے اسوقت گفتگو و جستجو کے دریچوں کو کھول دیا تھا۔ ہر نشست و اجتماعات میں عقلی و فلسفی گفتگو کا راوج عام ہو چکا تھا۔ اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس علمی مدرسہ کی تحریک مدینہ سے چلی جسکی حضرت علی علیہ السلام کے فرزند امام جعفر صادق علیہ السلام نے بنیاد رکھی تھی۔ وہ ایک عظیم متفکر اور زمانہ کے تمام علوم کو جاننے والے پہلے شخص تھے کہ جنھوں نے اسلام میں اصل فلسفہ کا مدرسہ تاسیس کیا۔ (۴)

....

۱) تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۳۲۱

۲) عماد الدین حسین اصفهانی (زندگی امام جعفر صادق علیه السلام) ج ۲ ص

۳) اعیان الشیعه ج ۲ص ۱۳۷، رجال نجاشی رقم ۹۷

۴) سیره پیشوایان -مهدی پیشوائی -مرکز نشر (قم-ایران)

مدرسہ اہل بیتؑ اور حکمرانوں کا موقف

اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے جس کے باعث پہلے مکہ مکرمہ پھر مدینہ منورہ علوم کا مرکز بنا۔ مسلمانوں نے تعلیم ومعرفت کے شوق میں مکہ کا رخ کیا۔ اللہ کے رسول نے بھی مسلمانوں کے لیے احکام وعقائد اور اخلاق اسلامی کا درس دینا شروع کیا۔ اسی وقت سے اس مکتب کی راہ میں بڑی رکاوٹیں ڈالی گئیں تا کہ مکتب الٰہی پنپ نہ سکے۔

رسول کے لیے موانع اور سختیاں سامنے آنے لگیں اسی وجہ سے آپ کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا پڑا۔ اس خلل کے بعد بھی معلم کتاب وحکمت نے اپنا مشن باقی رکھا تو آنحضرت پر طرح طرح کے الزامات اور تہمتیں لگائی گئیں تا کہ لوگوں کی نظر سے شخصیت رسول گر جائے اور ان کے مکتب سے زیادہ لگاؤ نہ رہ جائے۔

﴿ وماصاحبكم بمجنون ﴾ (۱)

اور تمہارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے۔

رسول کو مجنون کہا گیا تھا جس کے دفاع میں یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ والشعراء يتبعهم الغاوٗن ﴾ (۲)

شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں جو بھکے ہوئے ہوتے ہیں۔

شاعر، ساحر اور کاہن کہکر لوگوں کو رسول سے دور رکھنے کی کوشش کی گئی اور رسول کو

امی کہا یہاں تک کہ آخر عمر میں جب رسول نے اسلام کی حفاظت اور شریعت کی نگہداری کے لئے وصیت کرنا چاہی تو ہذیان گو کہکر لوگوں کو آپ سے دور رکھا گیا جب کہ قول وفعل رسول کا ضامن خود خدا ہے۔

اللہ نے اپنے سب سے بڑے معلم کو مکہ مکرمہ بھیجا اور آسمانی کتاب کے مطابق۔

﴿ فاصدع بما تؤمر ﴾ (۳)

پس آپ اس حکم کو جو آپ کو کیا جا رہا ہے پہونچا دیجئے۔

اس حکم کے بعد رسول نے اس پر عمل کیا اور مکتب الٰہی اور علوم دینی کے نشر و اشاعت کے لیے اسلامی مدرسہ کی بنیاد ڈالی مکہ مکرمہ میں درس کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس شریعت کدہ اور خانہ خدا سے علوم کی ترویج دوسرے ملکوں میں ہوئی، اور دھیرے دھیرے دوسرے مقامات میں بھی آنحضرت کی اہم علمی آثار میں:

۱۔ امالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۲۔ کتاب الجامعہ جو حضرت علی علیہ السلام نے لکھوائی تھی۔

۳۔ صحیفہ ابوذر۔

۴۔ شاگرد خاص حضرت علی، امام حسن وامام حسین سلمان محمدی، عمار یاسر جابر بن عبداللہ انصاری، حذیفہ یمانی، سعد بن عبید اللہ وغیرہ تھے۔

رسول اکرم کی رحلت کے بعد آپ کے جانشین برحق حضرت علی بن ابیطالب نے مکتب رسول کو جاری رکھنے کی ذمہ داری سنبھالی اور مسجد رسول میں اس سلسلہ کو باقی رکھا تو سقیفہ جیسا حادثہ رونما ہوا اور علی بن ابیطالب کو مکتب رسول کی کارکردگی سے دور رکھا گیا اس کے باوجود سب سے پہلے جنھوں نے اسلام میں کتاب تصنیف کی وہ علی ابن ابی طالب کی ذات ہے۔

آپ کی کتابوں میں معروف ترین کتابیں یہ ہیں:

نہج البلاغہ، دستور حکومت، اصول سیاست، وصیت، صحیفہ علویہ، جفر اور تفسیر قرآن وغیرہ۔ اور علی نے رسول کی تجہیز و تکفین کے بعد قرآن کو اسکے نزول کے مطابق جمع کیا۔ علی بن ابیطالب کی ۲۵ سالہ خانہ نشینی میں دینی امور کی تنگی اور امامت کی حق تلفی دیکھکر آغوش رسالت کی پروردہ فاطمۃ الزاہراء (سلام اللہ علیہا) مدرسہ رسالت کی شاگردہ نباض شریعت خداخاموش نہ بیٹھ سکیں اور جہالت وسفاہت کے وارثوں کے مقابلہ میں رسول کی طرح قیام فرمایا۔ جس کو نہضت فاطمی، کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ فاطمہ بنت رسول کا قیام اسلام کے مقابل ہونے والی کج روی، عہد شکنی اور جہالت کو ختم کرنے اور علی بن ابی طالب کی ولایت کے دفاع میں تھا۔

....

۱) س تکویر ۲۲۔

۲) س شعراء ۲۲۴

۳) س الحجر

اولادرسول اور مخالفین

حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا ام ابیھا سیدۃ نساء العالمین سارے کمالات وفضائل کی مالک ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث کی بہت بڑی عالمہ تھیں اور خود اپنے بابا رسول کی مانند حدیثیں بیان کیا کرتی تھیں ہمیشہ نشر علوم اور معارف الہٰی میں اپنے پدر کے ساتھ ساتھ تھیں۔ تمام شیعہ وسنی کتب احادیث کے مؤلفین نے فاطمہ بنت رسول سے روایتیں نقل کی ہیں۔

آپ نے ہر موقع ومحل پر رسول کا ساتھ دیا ہے جیسے جنگ احد وغیرہ میں جناب سیدۃ نے باپ کی بڑی مدد کی ہے گویا سیاسی اجتماعی دینی اور مکتب آسمانی کے دفاع میں آپ پیش پیش تھیں اس لئے کہ احکام اسلام کی حفاظت جو روح شریعت ہے، اگر یہ اصول اور سنت محفوظ ہوگئے تو صحیح اسلام مسلمانوں کے درمیان باقی رہ سکے گا۔ یعنی اگر دشمن مدرسہ اسلام سے ان کے حقیقی معلموں کو دور کردے گا اور اس مکتب سے روح قرآن جو رسالت عصمت، ولایت اور امامت کی شکل میں تھی اس میں ترمیم وتبدیلی ممکن ہوگئی تو اصول دین اور قرآن کی افادیت ختم ہوجائے گی۔

اس طرح اسلام کی اصل صورت بھی بگڑ جائے گی۔ لہذا اس تحریک اور مدرسہ کی حفاظت کیلئے جناب فاطمہؑ نے عمر کے آخری ایام میں حضرت علی علیہ السلام کو آئندہ کے

حادثات وواقعات کے سلسلہ میں پیشین گوئی فرمائی جسکو امام نے قلم بند فرمایا جو آج بھی "مصحف فاطمہ" کے نام سے معروف ہے اس کے علاوہ آپ کی دعائیں مناجات اور احادیث کو جملہ علماء اعلام نے جمع کیا ہے۔ منجملہ علامہ سیوطی کی مسند فاطمہ نامی کتاب حیدر آباد دکن سے چھپ چکی ہے۔ صدیقہ طاہرہ نے ایسے مسلمانوں کو جو صراط مستقیم سے منحرف ہو رہے تھے انھیں ثقلین سے تمسک اور رسول کی چھوڑی ہوئی دو گراں قدر چیزیں قرآن و عترت کے سلسلہ میں بڑی تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے رسول کے وصی اور اسلام کی درست قیادت سے لوگوں کو آگاہ کیا اور عملی طور پر دفاع کر کے بتلایا ہے۔

مہاجرین وانصار کی خواتین سے آپ نے خطاب میں فرمایا: اب جو اسلام میں رخنہ وانحراف ہو رہا ہے یہ انھیں لوگوں کی گردن پر ہے۔ آپ فرماتی ہیں:

﴿ اصبحت واللہ عائفه لدنیا کن قالیة لرجالکن ﴾

خدا کی قسم میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ تمھاری دنیا سے ناخوش اور تمھارے مردوں سے غضبناک ہوں (۱)

﴿ وبئس ماقدمت لھم انفسھم ﴾

تمھارے شوہروں نے کیسا بدترین ذخیرہ اپنے لیے تیار کیا ہے

﴿ لاجرم لقد قلدتھم ربقتھا ﴾

اس ذمہ داری کی ریسمان انھیں کی گردنوں میں ہوگی۔

﴿ وحملتھم اوقتھا ﴾

کتنی سنگین ذمہ داری ان کی گردنوں پر ہے۔

﴿ وشننت علیھم عارھا ﴾

ننگ ورسوائی ان پر ہو۔

﴿ فجدعا وعقرا وسحقاللقوم الظالمین ﴾

ان کی ٹانگیں کٹی ہوئی، زخم خوردہ اور رحمت خدا سے دور ہے۔

قرآنی اصول کے خلاف، حدیث رسول کو من مانی گڑھنا اور اسلامی افواج ومسلمانوں کی تقویت کے بہانے سے غصب شدہ ناجائز اموال پہ اجماع مسلمین، ان تمام سازشوں نے بنت رسول کو آرام سے گھر میں نہیں بیٹھنے دیا۔ مسجد النبی پہونچ کر حقایق کا انکشاف کر کے اپنے بابا کا دفاع کرتی ہوئی فرماتی ہیں:

﴿ سبحان الله ! ماکان رسول الله عن کتاب الله صادقا ﴾

رسول خدا نے قرآن سے روگردانی نہیں کی تھی۔

﴿ ولالاحکامه مخالفا ﴾ وہ قرآن کے کسی حکم کے مخالف نہ تھے ﴿ بل کان یتبع اثره ﴾ بلکہ وہ پیرو قرآن تھے۔

غرض کتاب خدا کو اپنے اور غیروں کے درمیان حاکم بنایا اور اسلامی تعلیمات کی حفاظت کے لیے قرآن سے ایسا استدلال پیش کیا کہ مخالفوں کے بہانوں کا سد باب کر دیا۔

﴿ ماازاح علة المبطلین وازال التظنی والشبهات فی الغابرین ﴾

اہل باطل کے بہانوں کو برطرف کیا اور گمان وشبہہ کو قیامت تک کے لئے بے اثر کر دیا۔

فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا اصحاب، انصار اور مہاجرین کے گھروں تک جا کر حق سے دفاع اور اجراء کا مطالبہ کیا کرتی تھیں۔ لیکن اکثر نے اعتنا نہ کی۔ نتیجہ میں نص قرآن کے خلاف فیصلہ ہونے لگا۔ ایسی ایسی حدیثیں استدلال میں پیش کی گئی جو قرآن کے مخالف تھی۔

امام علی علیہ السلام ۲۵ سال کے عرصہ تک دفاع کرتے رہے اور علمی دینی مسائل میں مختلف ادیان کے علماء کا جواب دیتے اور مختلف مواقع پر ان کے مقدمات کا فیصلہ فرماتے

اصل وہی حکم اللہ ہو جاتا ہے اور وہی مجتہد کا نظریہ لوح محفوظ پر ثبت ہو جاتا ہے جبکہ یہ بدیہی بات ہے کہ جب تک مجتہد کو موضوع علم معلوم نہ ہو وہ اس کا حکم کیسے لگا سکتا ہے؟ کیونکہ معلول کا علت سے پہلے ہونا لازم آتا ہے جو کہ محال ہے

اس کے علاوہ دینی اور دنیاوی پارلیمنٹ کے قانون سازی کا اصول تین مرحلوں سے ہوتا ہوا لوگوں میں نافذ ہوتا ہے۔

۱۔تشریع یا قانون سازی۔

۲۔ابلاغ۔

۳۔فعلیت اجراء ونفاذ۔

ان تینوں مرحلوں کے علاوہ کوئی چوتھا مرحلہ نہیں پایا جاتا، اب جن کا نظریہ یہ ہے کہ مجتہد جو حکم دیتا ہے وہی لوح محفوظ پر لکھا ہوتا ہے، اس سے لازم آتا ہے کہ فقہاء ومفتیوں کے نظریات کی گویا اللہ تعالیٰ پیروی کرتا ہے، مثال کے طور پر دو گلاس میں پانی ہے ایک نجس ہو گیا اب یہ گلاس (موضوع) کے پانی کا علم مجتہد کو نہیں ہے صرف علم اجمالی یا ظن سے وہ کس طرح خدا کے علم کو جان سکتا ہے؟

مذہب امامیہ کے مجتہدین تصویب کو قبول نہیں کرتے بلکہ تخطئہ کے قائل ہیں یعنی مجتہد حکم ظاہری سے جو حکم اخذ کرتا ہے اس میں خطا کا احتمال پایا جاتا ہے۔

اس کو اصول کی کتابوں میں یوں بیان کیا گیا کہ ایک شخص مجتہد جب کسی شرعی مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ مسئلہ متقین ہوگا یا مشکوک، شک کی صورت میں شک کرنے والے کو حالت سابقہ معلوم ہے تو استصحاب پر عمل کرے گا اور اپنے شک کی اعتناء نہیں کریگا اگر حالت سابقہ معلوم نہیں ہے تو شک یا تکلیف میں ہے یا مکلّف بہ میں۔ اگر تکلیف میں

تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: میرے ہوتے ہوئے کوئی بھی حدود الٰہی ضائع نہ ہونے پائے۔(۲)

پانچ سال کا عرصہ جو امام کی حکومت کا زمانہ تھا اس میں اسلامی تعلیم و معارف کے فروغ کا زیادہ موقع فراہم تھا، تو معاویہ بن سفیان اور دوسرے اسلام دشمن حامیوں نے سازش کی اور لوگوں کو علم حقیقی نیز خلیفہ الٰہی سے دور رکھا۔

امام علی علیہ السلام مسلمانوں کو خطبہ، نامہ، کلمات قصار کے ذریعہ آگاہ کرتے اور دین کا دفاع کرتے رہے۔ آج بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ امام علی علیہ السلام کے درس دیانت، سیاست اور امور نظام وانصرام سے کوئی مکتب فکر بے نیاز نہیں۔ معاویہ نے آپ پر لشکر کشی کے علاوہ دینی ثقافت اور مقدسات پر بھی حملہ کیا لہذا امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام نے ہر ممکن دفاع کیا۔ امام حسن علیہ السلام صلح کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

﴿ واللہ ماسلمت الامر الیہ الا انی لم اجد انصارا، ولو وجدت انصارا لقاتلتہ لیلی ونہاری حتی یحکم اللہ بینی وبینہ ﴾ (۳)

خدا کی قسم میں نے یہ امر (صلح) تسلیم نہیں کیا مگر اس لیے کہ انصار نہیں پاسکا اور اگر یار و انصار مل جاتے تو شب و روز معاویہ سے جنگ کرتا یہاں تک کہ خدا میرے اور اس کے درمیان فیصلہ کرتا۔

چنانچہ حالات سے بخوبی معلوم ہو رہا ہے کہ امام حسن علیہ السلام کو بھی نشر علوم کی فرصت نہ ملی۔ امام حسین علیہ السلام کے عہد میں یزید بن معاویہ مسند خلافت پر جا بیٹھا۔ جس نے حلال و حرام محمدی کو مسخ کرنا چاہا۔ اسلامی تعلیمات جس کا منبع وحی خدا سے ملتا تھا، مذاق اڑانا شروع کیا۔

﴿ لا خبر جاء ولا وحی نزل ﴾

رسول پر کوئی خبر اور وحی نازل ہی نہیں ہوئی۔

جیسا پروپیگنڈہ ہونے لگا جس پر امام نے فرمایا:

﴿ الاترون ان الحق لایعمل به وان الباطل لایتناهی عنه ﴾(۴)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پہ کوئی عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل سے گریز نہیں کیا جا رہا ہے۔ سنت رسول کو ختم کیا جا رہا ہے اور بدعت کو رواج دیا جا رہا ہے۔

مدینہ نبی میں سبط رسول مکتب قرآن کی تبیین و تفسیر فرما رہے تھے تو یزید نے والی مدینہ کو پیغام بھیجا کہ اگر حسین بن علی بیعت نہ کریں تو ان کا سر قلم کر لیا جائے۔ امام نے مدینہ چھوڑ دیا اور جب مکہ سے عراق کی طرف چلے تو آپ نے فرمایا: میں خود خواہی، سرکشی ظلم و فریب کیلئے مدینہ سے نہیں نکلا اور نہ ہی فساد و ستمگری کیلئے، بلکہ میرا مقصد اپنے جد کی امت کی اصلاح اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے (۵)

اور میں اپنے جد رسول خدا اور پدر علی بن ابی طالب کی سیرت پر عمل کروں گا۔ اس سے پہلے حاکم مدینہ امام سے یوں مخاطب ہوا تھا:

﴿ الاتتقی الله تخرج عن الجماعت وتفرق بین هذه الامة ﴾ (۶)

کیا آپ خدا سے نہیں ڈرتے کہ مسلمانوں کی جماعت سے نکل رہے ہیں اور امت کے درمیان تفرقہ ڈالتے ہیں؟

﴿ خرجت علی امامك وشققت عصا المسلمین ﴾ (۷)

آپ نے اپنے سردار پر قیام کیا اور مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔

دوسری جانب منحرف کرنے کے لیے ہے یوں کہتا ہے:

﴿ ان امریزید قضاء من القضاولیس للقضا الخیرمن امرهم ﴾ (۸)

یزید کا مسئلہ خدا کی قضا میں سے ایک تھا لہذا اسمیں کسی کو کوئی اختیار نہیں۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اسلام اور تعلیمات رسول کا معیار بالکل نہ تھا بلکہ لوگوں کو گمراہ کر کے حکومت واموال پر تصرف کرنا تھا۔ جس کے نتجہ میں ایسی سیاست کا اتخاذ کیا کہ لوگ حق و باطل میں امتیاز نہ کر سکیں۔ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ اکثر مکتب اسلام کے شاگردوں کی شہادت سے لوگوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا اور جیسے جیسے کربلا، کوفہ، شام اور مدینہ میں حقانیت واضح ہوتی گئی اس بیداری، اور مفاہیم اسلامی کے مقابل حکام ناتوانی محسوس کرنے لگے۔ غرض واقعہ کربلا اور عترت رسول کی شہادت واسیری سے مکتب نبی کی بیخ کنی اور مکتب اہل بیت کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔

امام باقر علیہ السلام کے زمانہ میں ایسا وقت آیا کہ ایک بڑا ثقافتی اور علمی انقلاب برپا ہوا جو زمان و مکان کی حدود و قیود کو توڑ کر ہر زمانہ اور تمام عالم پر محیط ہو گیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ امام جعفر صادق کو مدینہ سے کوفہ، امام کاظم اور امام جواد کو بغداد، امام رضا کو خراسان، امام ہادی کو سامرہ جانا پڑا۔ اسکی خاص وجہ یہ تھی کہ علوم قرآن کے وارثوں کو فرصت نہ مل سکے اور عالم اسلام کا علمی مرکز معطل ہو جائے، ساتھ ہی شک وشبہات کے مختلف نظریات کو بڑھاوا دیا۔

داویت۔ م۔ رونلدسن کہتا ہے کہ بہت سے شیعہ نشین گروہ عراق، ایران، مصر سے امام کے حضور سے استفادہ کرنے کے لیے مدینہ کا رخ کیے ہوئے تھے۔ (۹)

لیکن حکمرانوں کی سیاسی چال تھی کہ اماموں کو ان کے جد کے کاشانہ علم وادب سے دور اپنے محل میں زیر نظر رکھا جائے۔ عباسی خلفاء امام صادق علیہ السلام کے علمی انقلاب کی تیزی کو دیکھ نہ سکے لہذا عراق جانے پر مجبور کیا، چاہا مدینہ کے جامعہ علمی کو بند کر دے۔ امام کی جلاوطنی سرزمین عراق پر علوم اہلبیت باران رحمت کی طرح برسا۔ جس سے امام علی علیہ السلام کے عہد خلافت کی یاد تازہ ہو گئی اور دوبارہ اس مسجد کوفہ سے دنیا بھر میں فقہ وحدیث اور

دوسرے علوم ترویج پانے لگے۔

امام ہشتم نے اپنی امامت کے ۲۰ سال میں دو مرکز پر مبنی مدینہ اور خراسان میں تہذیب وعقائد اسلامی کو پروان اور علوم الٰہی کو رواج دیا۔ بنی عباس نے اس علمی تحریک کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی تاکہ امام کی شخصیت عوام کے ذہن میں نقش نہ ہونے پائے، امام پر ثقافتی حملہ کیا گیا۔ آپ نے قرآن کے ذریعہ استدلال اور ایسی عقلی ومنطقی ثبوت دیا کہ بڑے بڑے علما وفقہا آپ کے گرویدہ ہوگئے۔ اور امام کی علمی شخصیت کا سکہ بیٹھ گیا۔ بنی عباس نے شیعہ قلمرو ظاہر کرنے کی غرض سے امام کو ولی عہد کے لیے اصرار کیا۔ امام نے خراسان پہونچنے سے پہلے نیشاپور ہی میں صاف لفظوں میں اپنا موقف بیان فرمادیا:

﴿ کلمة لااله الاالله حصنی فمن دخل حصنی امن من عذابی بشرطها و شروطها وانامن شروطها ﴾

خداوند عالم کا فرمان ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو اسمیں داخل ہوگیا وہ عذاب سے امان پا گیا لیکن اسکی بھی ایک شرط ہے اور میں ان شرطوں میں سے ایک ہوں (۱۰)

چند دنوں میں امام کے وجود سے ایسے حالات ہوگئے جس نے عباسیوں کو مبہوت کردیا۔ جس وقت امام نماز عید پڑھانے کے لیے نکلے تو عباسیوں کو یقین ہوگیا کہ اگر امام نے نماز پڑھادی تو ہماری سلطنت کو زوال آجائے گا، لہذا امام کو واپس بلوالیا۔ یہی چیزیں موجب بنیں کہ امام کا وجود ایک ایک لمحہ کے لیے گراں گزرنے لگا اور آخر کار آپ کو زہر دے کر شہید کردیا گیا۔ حالانکہ عباسیوں نے اپنی حکومت کی بنیاد مضبوط کرنے کیلئے پہلے آل محمد کی رضایت وخوشنودی کا نعرہ لگایا تھا۔ بعض اوقات مناظرہ کے ذریعہ امام کی علمی شخصیت کو سبک کرنا چاہا۔

سلیمان مروزی جو علم کلام میں بہت مشہور تھا اس کو مامون نے انعام واکرام دیکر فرمائش کی کہ حجاز جا کر روز ترویہ (۸ ذی الحجہ) مجمع عام میں امام سے مناظرہ کرے۔ایک دوسرا مناظرہ جسمیں مخالفین کے ساتھ خود مامون شریک تھا، موضوع بحث امامت تھا جس میں امام رضا علیہ السلام کی برتری ثابت ہوئی تو امام نے اپنے ساتھیوں سے کہا مامون کی فریب آمیز بات میں نہ آنا، خدا کی قسم یہی میرا قاتل ہوگا۔(۱۱)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان حکام کا مطمع نظر اپنی حکومت کی حفاظت کرنا تھا چاہے اہل اسلام اور اسکے مقاصد عالیہ پایمال ہوجائیں۔

امام جواد علیہ السلام جو کمسنی میں درجہ امامت پر فائز ہوئے، ان دنوں مناظرہ عروج پر تھا۔عباسی خلیفہ کی سختی، محدودیت اور کدورت بھی اوج پر تھی یحیی بن اکثم جو عہد مامون کا نامور دانشمند تھا اور جسکو مختلف علوم میں بڑا عالم سمجھا جاتا تھا۔

مامون جو خود اہل علم سے تھا، اس کا بڑا شیدائی تھا اسی لئے عہدہ قضاوت اسکے حوالے کیا تھا۔اس نے مناظرہ کرتے ہوئے امام سے سوال کیا، امام نے اس سوال کی اتنی قسمیں کردیں کہ اس کے ساتھ دوسرے سارے فقہاء مبہوت ہو کر رہ گئے۔

یہ واقعہ کتب تاریخ میں ذکر ہے۔

مامون نے امام جواد علیہ السلام کو اپنا داماد بنالیا کیونکہ آپ کو کمسنی کے باوجود علم و آگہی میں تمام دانشوروں پر فضیلت و برتری حاصل تھی۔(۱۲)

سبط ابن جوزی کا بیان ہے وہ (امام جواد) علم وتقوی، زہد، بخشش میں اپنے پدر کے نقش قدم پہ چلتے تھے۔آپ کے ہاتھوں مسلسل علمی شکست دیکھ کر ابن ابی داود، معتصم کے پاس جا کر کہتا ہے: از راہ خیر خواہی میں آپ کو تذکر دیتا ہوں کہ تمام علماء اور ارکان مملکت کے سامنے ابو جعفر امام جواد کا فتویٰ جن کو نصف مسلمان خلیفہ اور تمھیں ان کے حق کا غاصب

جانتے ہیں تم نے امام کے فتوی کو دوسروں پہ ترجیح دی ہے اور یہ لوگوں میں عام ہوگیا ہے اور یہی شیعوں کی حقانیت کی دلیل بن گئی ہے اور آخر میں یہی فتوی امام کی شہادت کا باعث بنا۔ اور آپ کو عباسی خلیفہ کے حکم سے محلّہ عسکر میں اجباری سکونت اختیار کرنا پڑی۔ (۱۳)

....

۱) فاطمه الزهرا ۔سید محمد کاظم قزوینی ص ۵۰۵ نشر آفاق

۲) نهج البلاغه خ ۷۳ صبحی صالح

۳) احتجاج طبرسی. مطبعهسعیدیه مشهد ج ۲ ص ۲۹۱

۴) تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۰۵ ترجمه الامام الحسین (علیه السلام ابن عساکر ص ۲۱۶

۵) بحار الانوار مجلسی ج ۴۴ ص ۳۲۹ ۔مکتبه اسلامیه

۶) تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۸۹

۷) الفتوح .ج ۵ ص ۹۸

۸) الامامة والسیاسة ج ۱ ص ۱۸۳

۹) ائمتناج ۲ ص ۲۵۷

۱۰) مسند الامام الرضا (علیه السلام) ص ۱۵۳

۱۱) صدوق عیون اخبار الرضا علیه السلام ج ۲ ص ۱۸۵ دارالکتب الا سلامیه تهران

۱۲) الصواعق المحرقه ص ۲۰۵ طبع ۲ قاهره

(۱۳) علل الشرائع صدوق ج ۱ ص ۲۳۰

حوزات علمیہ اوران کے فرائض

اسلام معرفت وثقافت کا دین ہے۔ جس دن سے اسلام آیا اسی دن سے آیات کا نزول اسکا لکھنا پڑھنا یاد دلانا عملی طور پہ شروع ہوگیا تھا اور تحصیل علم کو بنیادی حیثیت دی گئی اوراسی کے آثار کو تہذیب وتمدن کہتے ہیں۔

اب قرآن جو بڑی عمیق اور مجمل کتاب تھی ضرورت اس بات کی تھی کہ اسکو باقاعدہ طور پر جاننے والے معلم ومفسر اور مبین ہوں تا کہ اس کے آئین لوگوں، قوموں اور قبائل میں تعلیم وترویج پاسکیں تا کہ اسلامی مقصد اور قرآنی احکام کا نفاذ معاشرہ میں ممکن ہوسکے۔ انبیاء اولیا اور ائمہ کا اولین فریضہ تھا کہ لوگوں میں علوم کی نشرو اشاعت کریں اور خدا کے برگزیدہ حضرات کی ہر زمانہ میں یہی سیرت بھی رہی ہے۔ حضور اکرم (ص) نے ان الفاظ میں تاکید کی۔

﴿ طلب العلم فریضه علی کل مسلم ومسلمه ﴾

علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد عورت پہ ضروری ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں :

﴿ ایها الناس! اعلموا ان کمال الدین طلب العلم والعمل به الا وان طلب العلم اوجب علیکم من طلب المال ﴾ (۱)

آگاہ ہو جاو کہ دین کی تکمیل علم طلب کرنے اور اسپر عمل کرنے میں ہے اور تم پر علم کا حاصل کرنا مال کے طلب کرنے سے زیادہ ضروری ہے۔

رسول اکرم فرماتے ہیں :

﴿ ان ارد تم عیش السعداء وموت الشهداء والنجاة یوم الحسرة والظل یوم الحروروالهدی یوم الضلالة فادرسوالقرآن،فانه کلام الرحمن وحرزمن الشیطان ورجحان فی المیزان ﴾

اگر سعادت مند زندگی، شہادت کی موت، قیامت کے دن نجات، گرمی محشر میں سایہ اور سرگردانی کے دن ہدایت چاہتے ہو تو قرآن کی تعلیم حاصل کرو کیونکہ قرآن خدا کا بیان، شیطان سے امان اور میزان عمل میں برتری کا سامان ہے۔

حوزات علمیہ کی جانب سے احادیث کی جمع آوری، تدریس اور ابلاغ کی تشویق میں رسول گرامی فرماتے ہیں:

﴿ من اذی الی امتی حدیثا یقام به سنة اویثلم به بدعة فله الجنة ﴾

جو ہماری حدیث کو میری امت تک ابلاغ کرے جس سے صحیح سنت برقرار ہو یا بدعت و خرافات کا خاتمہ ہو تو بہشت اسکی جزا ہوگی۔

احادیث کی جمع آوری، قرآن کی تفہیم کو آسان کر کے حسب ضرورت انفرادی و اجتماعی مسائل کے اصول و ضوابط سب کچھ حوزات علمیہ کے ذمہ رہا ہے۔

ہمیشہ کی یہ تاریخ رہی ہے کہ ہر طرح کے گزند سے حوزات و مدارس نے علوم اسلامی کی حفاظت کی ہے۔

فہم قرآن جو احادیث معصومین پر منحصر ہے اور حدیث کے جعل اور تحریف وغیرہ کی تمیز اور کتاب خدا کے معیار پر پورا اترنا ہے۔ دیگر علوم فہم قرآن کے لیے مقدمات ہیں اور ان

تمام علوم کی تدریس کی کفالت حوزات علمیہ سے ہوتی ہے۔ اسی حوزہ علمیہ میں ثقۃ الاسلام علامہ کلینی (۳۲۹ھ) شیخ صدوق ابن بابویہ (۳۸۱) سید رضی (۴۰۶ھ) وسید مرتضی (۳۵۵۔۴۳۵) جیسی علمی شخصیتیں جو فلسفہ، اخلاق، تاریخ، حدیث، فقہ اور کلام میں تبحر علمی اور ید طولی رکھتے تھے پروان چڑھیں۔

اسی مکتب کے جابر بن حیان جیسی شخصیت پورے یورپ کے فلسفہ اور علوم تجربی پر بھاری ہے۔ اس عہد زریں میں اسلامی ثقافت وتمدن میں ایسی شگوفائی ہوئی اور علوم کو اتنی بلندی ملی کہ بعض یورپی مؤرخین نے اس عہد کو اسلام کا گولڈن پیریڈ کہا ہے۔ (۲)

سونے پرسہاگہ یہ ہوا کہ عہد جدید میں علماء متوجہ ہوئے کہ ادبیات فقہ، اصول اورعلوم قرآن کے ساتھ ساتھ ترقی یافتہ زمانہ کے اعتبار سے جدید علوم پر بھی دسترسی رکھنا چاہیے۔ نیز زندگی کے انواع واقسام اور حیرت انگیز واقعات سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے بلکہ حتی الامکان اختراعات وٹکنالوجی وغیرہ میں بھی مہارت حاصل کرنا چاہیئے جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ یہ سارے علوم ائمہ اہل بیت نے تعلیم فرمائے ہیں۔

....

۱) منیۃ المرید: شہید ثانی ص ۱۲۔ اصول کافی ج۱ ص ۳۵۔

۲) تاریخ ایران از اسلام تاسلاجقہ ج ۴ ص ۵۰۲ / ۵۰۵۔

فقہاء اور ان کی درسگاہیں

دراصل مدینہ منورہ، کوفہ، بغداد، سامرہ اور طوس وغیرہ میں ائمہ کے حضور سے بے شمار لوگ علوم ومعارف حاصل کرتے رہے اور ساتھ ہی علمی نہج اور اسکے اصول بھی قلمبند کرتے رہے۔ چوتھی صدی میں آخری حجت خدا کے پردہ غیب میں جانے کے بعد متعدد مقامات میں درسی کارکردگی شروع کردی گئی۔ مثال کے طور پہ شیخ مفید (رحمۃ اللہ علیہ) کا درس جسمیں سید مرتضی علم الہدی، شیخ طوسی، نجاشی، ابوالفتح کراجکی، ابویعلی جعفر بن سلار اور عبدالغنی جیسے علماء اسلام شریک ہوا کرتے تھے۔(۱)

سید مرتضیٰ علم الھدیٰ جنہیں علامہ حلی نے شیعہ امامیہ کا معلم کہا ہے آپ کا حوزہ درس بہت وسیع اور مختلف علوم تدریس کیا کرتے تھے۔ شیخ طوسی، قاضی ابن براج وغیرہ آپ کے نامور شاگرد تھے۔

شیخ ابوجعفر طوسی جب بغداد میں کرسی تدریس پہ جلوہ افروز ہوئے تو شیعہ سنی علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔

شیخ ابوالقاسم جعفر بن محقق حلی (۶۰۲۔۶۷۶) نے فقہ شیعہ کے مبانی اور مکتب اجتہاد کے اصول کو بیان کیا۔ مختلف عناوین میں دقت نظری اور تعمق سے درس کہتے اور علماء وطلاب استفادہ کیا کرتے تھے۔ چار سو مجتہدین جنکی سوانح حیات علم رجال میں مذکور ہے،

شک ہورہا ہے تو برائت جاری کرکے وظیفہ معین کرے گا ورنہ مکلّف بہ میں شک ہونے کی صورت میں اگر احتیاط ممکن ہوتو احتیاط کرے گا اور اگر ممکن نہ ہو یعنی دونوں طرف مساوی ہوتو پھر تخییر یعنی جس کو چاہے اختیار کرے۔

غرض کہ ان روشن دلیلوں سے ہر زمانہ میں معاشرہ کی ضرورتوں کو پورا کیا جاسکتا ہے اور اجتہاد کا جو مقصد ہے وہ لوگوں کی ارتقائی منزلوں تک رہنمائی کرنا، نیز معاشرہ کی جملہ کجی، نوآوری اور جملہ پیچیدگی کا الٰہی قوانین کی روشنی میں حل تلاش کرنا ہے، اس کو آئندہ تفصیل سے بیان کیا جائیگا۔

....

۱) سورہ نساء .۸۰۔

۲) سورہ حشر .۷۔

۳) سورہ احزاب . ۲۱۔

۴) صحیح مسلم ج ۷ ص۱۲۲۔

سنن ترمزی ج ۲ ص۳۰۷ مختصر اختلاف کے ساتھ۔

۵) وسائل ج۱۸ ح۱۵۔

۶) وسائل ج ۱۸ ح ۵۲۔

آپ کے مجلس درس سے فارغ التحصیل ہوئے۔اسی مدرسہ کے تربیت شدہ سید مرتضی علم الہدیٰ جیسی ہستی جن کے لیے تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ:

وہ علم کلام وادب اور شعر کے امام تھے شیخ طوسی جو شیخ الطائفہ کہے جاتے ہیں انہوں نے تہذیب، استبصار، مبسوط جیسی حدیث میں عظیم کتابیں تالیف کیں۔

معروف محدث جو اسی مدرسہ سے نکل کر افق ایران سے آسمان حدیث پہ چھا گئے جن میں علی بن ابراہیم شیخ الکلینی کے استاد، خود محمد بن یعقوب الکلینی ۳۲۹ صاحب کتاب الکافی فی الفروع والاصول، علی بن الحسین بن بابویہ شیخ صدوق کے والد ابن قولویہ ابوالقاسم جعفر بن محمد ۳۶۸ھ قابل ذکر ہیں۔

ان درسگاہوں کے عروج وکمال کے لیے یہی کافی ہے کہ کتاب کافی، من لایحضرہ الفقیہ وغیرہ اسی مدرسہ کا ثمرہ ہیں۔(۲)

۵۶۷ھ کے آخر میں فاطمین کا ستارہ جو ممالک افریقہ، مصر وغیرہ پر ۲۷۰ سال سے چمک رہا تھا بالکل غروب ہوگیا۔جو برکتیں ان کے عہد میں مصر کو حاصل ہوئی کسی کے زمانہ میں نہیں ہوئی علوم وفنون تجارت وحرفت سب کو کمال ترقی ہوئی۔شفا خانہ، مدرسہ، مسجدیں وغیرہ ایک لاکھ تیس ہزار قسم کی ۱۶ لاکھ کتابیں نہایت اعلیٰ درجہ کے خوشنویسوں کی لکھی ہوئی اور نہایت نفیس جلدیں بندھی ہوئی تھیں یہ کتب خانہ دنیا کے عجائبات سے تھا۔تمام اسلامی ممالک میں اس سے بڑا کوئی کتب خانہ نہ تھا۔اس کتاب خانہ میں فقہ، نحو، لغت، حدیث، تواریخ، نجوم، روحانیت، کیمیا اور ہر فرقہ کی مذہبی کتابیں بھری ہوئی تھیں۔خلفاء فاطمین علم وسائنس کے بھی بڑے دلدادہ تھے۔انھوں نے کالج، کتب خانہ اور دار الحکمۃ قائم کی ہے۔ان کتاب خانوں کو آلات ریاضی سے آراستہ کیا۔کالجوں میں بکثرت اعلی درجہ کے پروفیسر رکھے۔خلیفہ اکثر علمی مجلسیں کیا کرتے۔جن میں دار العلوم کے پروفیسر یعنی ہر علم

کے جدا جدا عالم، منطقی، ریاضی داں، فقیہ، طبیب وغیرہ اپنی مخصوص خلعتین پہنے ہوئے حاضر ہوئے تھے۔ ان تعلیم گاہوں میں انسانی علم کے ہر شاخ کی تعلیم ہوتی تھی۔ علم ہیئت کو ترقی دینے کی غرض سے مختلف مقامات میں رصدگاہیں بنائی گیں اور علم وادب وسائنس کے بڑے بڑے ماہر وکامل استاد ایشیا وانڈونیشیا سے بلائے گئے۔ اگرچہ مسلمانوں میں سب سے پہلے یہ سلسلہ فقہاء شیعہ نے شروع کردیا تھا۔ چوتھی صدی سے فقہی تألیفات جمیں شیخ صدوق کی المقنع، الہدایہ اور کتاب الفقہ قابل ذکر ہیں۔

....

۱) فقهای نامدار شیعه ص۵۶۔عقیقی بخشایشی۔

۲) دور الشیعه فی بناء الحضارة الا سلامیه ص۱۲۴۔۱۲۵جعفر سبحانی قم

۳) حوزه های علمیه دربستر تاریخ

۴) تاسیس الشیعه ص۲۹۸

۵) فقهاء ص ۴۲

فقہاء اور تاسیس حوزہ

ائمہ معصومین کی سیرت طیبہ کے مطابق مدینہ، کوفہ، بغداد وغیرہ علمی مرکز بنا رہا جو ۲۶۰ھ سے ۳۲۷ھ تک نوابین اربعہ کی نظارت میں چل رہا تھا اسکے بعد حکومت عباسی میں ضعف کے سبب اور آل بویہ کی سلطنت میں علماء شیعہ کو عراق کے اکثر مناطق میں مدرسہ تاسیس کرنے کی فرصت ملی۔ مسجد براثہ (کے مدرس) میں مفتخر مذہب تشیع شیخ مفید سے مجلس درس آراستہ تھی جنھوں نے دوسو سے زیادہ کتابیں مختلف علوم میں تصنیف کیں۔

شیخ الطائفہ کے عہد میں فرقہ وارانہ تشدد و تعصب جو باعث بنا کہ دار الکتب نیشابور جلا دیا گیا۔

طغرل نے ۴۵۱ھ میں دار العلم نذر آتش کیا اور شیخ طوسی کی ہتک حرمت کی گئی جسمیں بڑا علمی سرمایہ ضایع ہوا جس حادثہ کے بعد نجف اشرف کو علمی مرکز بنایا چنانچہ شیخ طوسی نے ۴۴۸ھ میں یہ حوزہ تاسیس کیا جسکو آج ہزار سال ہو رہے ہیں (۱)

حوزہ نجف کا عالم اسلام پہ بڑا حق ہے ۴۴۸ھ سے آج تک ہر گوشہ و کنار میں یہیں سے نور علم پھیلا اور اس شجرہ طیبہ کا اطراف و اکناف بھی اہل علم سے پر تھا۔ زیادہ مجمع ہونے پہ حلہ کو بھی مدرسہ سے آباد کیا گیا۔ یہاں سے بھی علماء اہل حدیث کا اہم گروہ منظر عام پہ آیا جسمیں محقق حلی صاحب شرائع الاسلام، علامہ حلی صاحب تذکرۃ الفقہاء، فخر المحققین وغیرہ

قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر فاضل الجمالی لکھتے ہیں: نجف مسلمانوں کا چوتھا بڑا شہر مکہ، مدینہ اور قدس کے بعد شمار ہوتا ہے، یہ امام علی علیہ السلام کی قبر سے شہر مقدس اور نجف اشرف ہو گیا، نجف شیعوں کا بڑا نظام درسی کا مرکز جو مصر کی جامعہ ازہر اور تونس میں (زیتونہ) کے مقابلہ میں تھا، شیعہ تمدن کا اصل مرکز نجف پھر کربلا، کاظمین اور سامراہ ہوا۔

نجف میں ۲۴ دینی مدرسہ جسمیں اطراف واکناف عالم سے طلاب مشغول علم تھے(۲) ڈاکٹر فاضل الجمالی آگے لکھتے ہیں: میں نے امریکا سے تعلیم مکمل کی ایک زمانہ کاظمین میں گزارا لیکن اس نتیجہ پہ پہونچا کہ اس حوزہ کے علماء سے آشنائی ضروری ہے غرب کی علمی نہج کو میں نے اچھی طرح تحقیق کرلیا تھا اور عقیدہ مستحکم تر ہوتا گیا کہ امریکہ لندن فرانس کی آکسفورد، کمبریج جیسی یونیورسٹی کو یہ افتخار حاصل نہیں ہے جو نجف کی یونیورسٹی میں آزادی علم، تعمق اور اپنی تربیت کے جو اثرات محصل پہ چھوڑتے ہیں کسی اور یونیورسٹی میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔(۳)

مصر میں جامع ازہر کی شہرت تہذیب وتمدن حکومت فاطمیین کی مرہون منت ہے خلفاء فاطمیین میں المعز لدین اللہ جو بڑا متمدن اور علم وادب دوست تھا۔ جامع ازہر تأسیس کیا(۴) نیشاپور مرکز علم تھا جسمیں بہت سے دینی مدارس تھے۔

ابن اثیر نے نقل کیا ہے کہ ۲۵۶ھ کے غدر میں پچیس مدرسے منہدم ہو گئے تھے۔(۵) ایران کے بہت سے شہروں میں حوازات علمیہ کا ثبوت ملتا ہے۔ صفوی دور میں مشہد اصفہان کا حوزہ اور قم میں علی بن بابویہ (۳۲۹ھ) کے زمانہ میں دوسو محدث کے وجود سے بھی یہاں حوزہ اور علمی مرکز کا وجود ثابت ہے۔ شام میں شیعوں نے اموی اور عباسی حکومت کے دوران سیاسی سختی میں بسر کیا لیکن جب عراق میں شیعہ حکومت برسر اقتدار آئی تو آزادی کی فضا ہموار ہوتے ہی جبل

عامل، حلب وغیرہ میں مدارس کی بنیاد رکھی گئی۔ اسطرح شام میں علم ودرس کا ماحول قائم ہوا تیسری صدی ہجری سے ہی علماء اور اساتید قم کا رابطہ ائمہ علیہم السلام سے تھا اور آخر میں ۱۳۴۰ھ میں آیت اللہ شیخ عبدالکریم حائری نے مزید توسیع دی اوران کے بعد آیت اللہ حسین طباطبائی بروجردی کے زمانہ میں زیادہ شہرت بڑھی پھر اسلامی انقلاب کے روح رواں حضرت آیت اللہ روح اللہ الموسوی الخمینی کے زمانہ سے عالم اسلام خاص طور سے شیعہ علم وتمدن کا مرکز بن گیا۔ ان کے علاوہ دنیا کے گوشہ وکنار میں حوزات علمیہ قائم ہوئے، خاص طور سے مشرقی مما لک میں، جیسے افغانستان، پاکستان، ہندوستان وغیرہ جہاں قدیم زمانے سے درس وبحث کا سلسلہ چلا آرہا ہے۔ اور ہزاروں مایہ ناز علماء انھیں مدارس میں پروان چڑھ چکے ہیں، اور ابھی تک اس سنت کا سلسلہ جاری ہے، خدایا یہ مدارس اور حوزات علمیہ اپنے اصلی علمی تربیتی مقصد پر باقی رہیں۔

....

۱) دور الشیعه فی بناء الخصارة الاسلامیه ص۱۲۸ (استاد جعفر سبحانی)

۲) پیام حوزه سال اول ش سوم ۔۱۳۷۳۔ ص ۷۳،۷۴

۳) دورالشیعه ص ۱۳۱ ۴) دائرة المعارف الاسلامیه الشیعه ج ۱۰ ص ۳۷۴

۵) سیره حوزه های علمی شیعه ص ۱۸ ۔ آیت الله لطف الله صافی گلپایگانی۔

فہرست

باب دوّم مرجعیت

باب سوّم ولایت

باب چہارم قضاوت

باب پنجم مدرسہ اجتہاد

منابع کتاب

۱) قرآن کریم

۲) تفسیر کبیر — امام فخر الدین رازی دار الکتب العلمیہ تہران

۳) صحیح مسلم — بشرح النووی، مشکول م ۲۶۱ھ (از ہر)

۴) لسان العرب — (علامہ ابن منظور افریقی) احیاء التراث لبنان

۵) معالم الدین — حسن بن زید الدین الشہید الثانی ۱۰۱۱ھ

۶) لغت نامہ دہخدا — (ط چہارم) دانشگاہ تہران

۷) ارشاد فحول — محمد بن علی محمد الشوکانی دار الفکر

۸) کفایۃ الاصول، — النشر الاسلامی قم

۹) مہذب اللغات — نامی پریس لکھنوٴ

۱۰) دائرۃ المعارف — (فارسی)، نیویارک

۱۱) ایضاح الکفایہ — آیۃ اللہ محمد فاضل لنگرانی قم

۱۲) الاحکام — آمدی

۱۳) المستصفیٰ — ابی حامد محمد بن محمد الغزالی، دار صادر

باب اوّل

اجتہاد

﴿ فَلَولَا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين ولينذروا قومهم اذا رَجَعوا اليهم لَعَلَّهم يحذرون ﴾

کیوں نہیں ہر فرقہ سے ایک جماعت کوچ کرتی، تا کہ دین (اسلام کے احکام ومعارف) میں تفقہ اور فہم حاصل کرے اور جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئے تو انہیں (خداوند متعال کے حکم کی مخالفت سے) ڈرائیں اس طرح شاید وہ حکم خدا کی مراعات کرنے لگیں۔

اسی بناء پر فقہ واجتہاد کا حاصل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

☆ **تفقه** : ظاهری علوم کے ذریعه علم کی گهرائیوں تك پهونچنے کا نام هے۔

☆ **اجتهاد** : حقیقت نهیں، بلکه انکشاف حقیقت کی کوشش کا نام هے۔

....

سوره توبه ۱۲۲

۱۴) اصول الفقہ (خضری)

۱۵) الاجتہاد شیخ مراغی

۱۶) اعلام الموقعین ابن القیم

۱۷) شرح الکوکب المنیر

۱۸) مبانی الاستنباط سید علی حیدر

۱۹) اصول کافی ابی جعفر محمد بن یعقوب کلینی

۲۰) سیری در صحیحین محمد صادق نجمی جامعہ مدرسین قم

۲۱) مقدمہ ابن خلدون الحیاء التراث العربی لبنان

۲۲) کشف الاسراء ۲

۲۳) سنن ترمذی ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ۲۰۹۔۲۷۹

احمد محمد شاکر قاہرہ)

۲۴) وسائل الشیعہ شیخ محمد بن الحسن الحر العاملی احیاء التراث

العربی بیروت

معارج الاصول محقق حلی

۲۶) اصول الفقہ محمد رضا مظفر

۲۷) تیسیر التحریر ابن ہمام

۲۸)	ہزارہ شیخ طوسی	کنگرہ شیخ انصاری قم
۲۹)	امام جعفر الصادق	عبدالحلیم الجندی (مصری)
۳۰)	رسالۃ الاجتہاد	البھبھانی
۳۱)	الموافقات	شاطبی
۳۲)	صحیفہ نور	(امام خمینیؒ)
۳۳)	ہدایۃ المسترشدین	شیخ محمد تقی
۳۴)	مستمسک العروۃ الوثقیٰ	سید حکیم طباطبائی (النجف الاشرف)
۳۵)	فرائد الاصول	آیت اللہ مرتضیٰ انصاری
۳۶)	کنز الدقائق	مرزا محمد مشہدی
۳۷)	مستند الشیعہ	محقق نراقی
۳۸)	نہج البلاغہ	
۳۹)	حدیث الثقلین	دار التقریب بین المذاہب الاسلامیہ (قاہرہ)
۴۰)	احتجاج	طبرسی
۴۱)	موسوعۃ الفلسفہ	عبدالرحمٰن بدوی
۴۲)	التفسیر والمفسرون	آیۃ اللہ محمد ھادی معرفت
۴۳)	سنن ابن ماجہ	حافظ ابی عبداللہ محمد بن یزید

۴۴)	تذکرۃ الفقہاء	علامہ حلی موسسہ آل البیت
۴۵)	درایہ	شیخ جعفر سبحانی قم
۴۶)	مرزا شیرازی	آقا بزرگ تہرانی (وزارت ارشاد)
۴۷)	تراز سیاست	کنگرہ شیخ انصاری)
۴۸)	دار الشعب	
۴۹)	اسلامی علوم کا تعارف	شہید مرتضیٰ مطہری
۵۰)	شرح نہج البلاغہ	ابن ابی حدید، دار احیاء التراث العربی
۵۱)	اجتہاد زمان و مکان	مبانی فقہی امام خمینی نشر عروج
۵۲)	اخبار رسالت	اردیبہشت (ایران)
۵۳)	ولایت فقیہ	محمد ہادی معرفت، م فرہنگی قم
۵۴)	جواہر الکلام	شیخ محمد حسن نجفی
۵۵)	مکاسب محرمہ	امام خمینیؒ
۵۶)	العوائد	محقق نراقی
۵۷)	کتاب البیع	شیخ مرتضیٰ انصاری/ امام خمینیؒ
۵۸)	شرائع الاسلام	دار الافواء بیروت
۵۹)	الفصول المہمہ	ابن صباغ مالکی (بیروت)

۶۰) تاریخ یعقوبی — احمد بن ابی یعقوب بن جعفر المعروف بالیعقوبی دار صادر بیروت

۶۱) اعیان الشیعہ — حسن الامین (دار التعارف بیروت)

۶۲) رجال نجاشی

۶۳) سیرۂ پیشوایان — مھدی پیشوائی مرکز نشر (قم)

۶۴) تاریخ طبری — ابی جعفر محمد بن جریر الطبری م ۳۱۰ھ دار المعارف مصر

۶۵) الامامۃ والسیاسۃ — ابی محمد عبد اللہ بن مسلم ابن قتیبہ الدینوری (دار المرفۃ)

۶۶) ائمتنا قادتنا — ہاشم معروف الحسنی

۶۷) مسند الامام الرضا — شیخ عزیز اللہ العطاردی

۶۸) قانون اساسی — حسن فرید، قم

۶۹) الانساب الاشراف — احمد بن یحیی بن جابر البلاذری، المثنی بغداد

۷۰) الفتوح — علامہ ابی محمد احمد بن اعثم الکوفی دار الکتب العلمیہ

۷۱) کتاب القضاء — محمد رضا الموسوی گلپایگانی۔/ خیام قم ا

۷۲) النضید — محمد حسن قاروبی
۷۳) فقہ القضاء — سید عبدالکریم الموسوی
۷۴) مقنعہ — شیخ مفید
۷۵) لسان المیز ان — ابن حجر قاہرہ
۷۶) الصواعق المحر قہ — سبط ابن جوزی ۶۵۴ھ تہران ناصر خسروی
۷۷) زندگی امام جعفر صادقؑ — عمادالدین حسین اصفہانی
۷۸) تاریخ ایران از اسلام تا سلاجقہ
۷۹) زندگانی امام صادق علیہ السلام — نوراللہ علی دوست خراسانی تہران
۸۰) رسالۃ التقریب العدد الثالث — السنۃ الاولی ۱۴۱۴ھ
۸۱) رسالۃ التقریب العدد الثانی
۸۲) الاجتہاد والفتوی — محی الدین الموسوی لبنان (مطبوعات)
۸۳) محاضرات فی علوم القرآن — ڈاکٹر بشیر عثمانی (مکہ مکرمہ)
۸۴) دائرہ المعارف الاسلامیہ التشیع — حسن الامینی/ دار التعاریف
۸۵) فواتح الرحموت فی شرح مسلم الثبوت
۸۶) اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ — ابن اثیر ابی الحسن علی بن محمد الجزری م ۶۳۰ھ

۸۷)	مقدمہ ای برفقہ شیعہ	حسین مدرسی طباطبائی، مترجم آصف فکرت، مشھد
۸۸)	الشؤن واختیارات ولی فقیہ	امام خمینیؒ
۸۹)	زندگی شیخ انصاری	ضیاء الدین قم (کنگرہ شیخ انصاری)
۹۰)	ترجمہ قرآن مع حواشی	سید ابوالاعلی مودودی (ادارہ قرآن)
۹۱)	منیۃ المرید	شہید ثانی
۹۲)	المعجم الکبیر (طبرانی) قاہرہ	
۹۳)	حوزہ ھای علمیہ شیعہ	سید علی رضا سید کباری (پژوہشکدہ باقر العلوم)
۹۴)	سیر حوزھای علمی شیعہ	لطف اللہ صافی انتشارات اسلامی قم
۹۵)	صدوق عیون اخبار الرضا	دار الکتب الاسلامیہ تہران
۹۶)	تاسیس الشیعہ لعلوم الاسلام	آیۃ اللہ سید حسن صدر، دار الرائد العربیہ لبنان
۹۷)	پیام حوزہ	سال اوّل ش سوّم
۹۸)	علل الشرائع	شیخ صدوق
۹۹)	المیزان فی تفسیر القرآن	محمد حسین الطباطبائی
۱۰۰)	العقد الثمین فی معرفۃ رب العالمین	
۱۰۱)	موسوعۃ فقہ الامام علی بن ابیطالب	محمد رواس قلعہ جی دمشق
۱۰۲)	نظام الحکومت والادارۃ فی الاسلام	شیخ محمد مصری شمس الدین

۱۰۳) دور الشیعہ، بناء الحضارالاسلامیہ — استاذ جعفر سبحانی (قم)

۱۰۴) المدخل الی دراسۃ الادیان والمذاھب — عبدالرزاق محمد اسود (مصر)

۱۰۵) فقہاء نامدار شیعہ عقیقی بخشایشی — کتابخانہ آیۃ اللہ مرعشی نجفی قم

۱۰۶) الدروس شہید محمد بن جمال الدین — (مکی العاملی)

۱۰۷) مدارک الاحکام فی شرح شرائع الاسلام — سید محمد علی الموسوی عاملی

۱۰۸) مسالک الافہام شہید ثانی دارالھدیٰ (قم) — الحیات (بیروت)

۱۰۹) اسلامنا فی التوفیق بین السنۃ والشیعہ — ڈاکٹر مصطفیٰ الرافعی بیروت

۱۱۰) ابوالشھداء الحسین ابن علی علیہ السلام — محمود عباس عقاد

۱۱۱) شیعہ کتب حدیث کی تاریخ و تدوین — سید حسین مرتضیٰ

۱۱۲) بحارالانوار علامہ محمد باقر مجلسی (بیروت)

۱۱۳) بحارالانوار علامہ محمد باقر مجلسی (بیروت)

۱۱۴) فرہنگ جہاد سال اوّل ش ۲۳۔ چاپ نگین قم

۱۱۵) بولتن مرجع (فلسفہ فقہ) مدیریت مطالعات اسلامی سازمان فرہنگ وارتباطات

۱۱۶) السیرۃ النبویہ واخبار الخلفاء حافظ ابی حاتم محمد بن حبان ابن احمد التمیمی البستی م ۳۵۴ھ

۱۱۶) تھذیب الاحکام (فی شرح المقنعہ للشیخ مفید) ابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی)

۱۱۷) انسائیکلوپیڈیا (امریکہ) دی ورڈ بک انسائیکلوپیڈیا ISBN 0-7166-0094-3

HAUZA-E- ILMIYA BAQIYATULLAH

New Bazar, Jalalpur

حوزۂ علمیہ بقیۃ اللہؑ نیو بازار، جلالپور

صحیح فکر و فہم اور اسلامی
منصوبوں پر مبنی نوجوانوں کی اعلیٰ پیمانے کی تعلیم و
تربیت اور احباب علم و ادب کا علمی گفتگو کیلیے
حوزۂ علمیہ بقیۃ اللہؑ آپ کا خیر مقدم کرتا ہے

طباعت: تاج کمپیوٹر اینڈ پرنٹرس دلالٹولہ، جلالپور، فون ۶۳۰۰۵

Designing By: Shammo Usmanpuri

اجتہاد کے معنی

لغوی معنی :

یہ عربی زبان میں افتعال کے وزن پر آیا ہے۔لہذا اجتہاد حدتوانائی تک کوشش کرنے کو کہا جاتا ہے، اسی طرح جَہد اور جُہد وسعت اور طاقت کے معنی میں اور بطور مبالغہ بھی استعمال ہوا ہے (۱)

﴿ تحمل الجهد وهوا لمشقة فی امر يقال ﴾

اجتہاد کسی امر میں مشقت کرنے کو کہا گیا ہے

﴿ اجتهد فی حمل الثقيل ولا يقال ذالك فی الحقير ﴾

"اجتہاد اہم امور میں ہوتا ہے نہ کہ حقیر (پست) امور میں"

اجتہاد جُہد (ضمہ کے ساتھ) سے ماخوذ ہے جسکے معنی طاقت یا جہد (فتحہ کے ساتھ) جسکے معنی مشقت اور طاقت کے بھی ہیں لہذا (۲) اجتہاد انجام عمل کیلیے طاقت صرف کرنا، خواہ جہد ضمہ یا جہد فتحہ دونوں امر لازم آتا ہے کیونکہ طاقت کا صرف کرنا مشقت سے خالی نہیں ہے (۳) اجتہاد: درست رائے کی تلاش، مسائل شرعیہ کا استنباط کلام اللہ، حدیث اور اجماع پر قیاس کرتے ہوئے اس شرط کے ساتھ کہ کتب اصول میں ذکر ہو۔ (۴) تتبع اور چھان بین کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجتہاد مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے جن

میں: تعب تھکن، ہزل، کوشش رغبت، اشتہاء، شاق وغیرہ، یہ معنی لغوی نہیں بلکہ دوسری مناسبتوں سے استفادہ ہوا ہے(۵)

﴿ من اعمل اجتهاده بلغ مراده ﴾

جس نے اپنی سعی وکوشش سے کام لیا اس نے اپنی مراد پالی

" الاجتهاد اربح بضاعة "

اجتھاد سب سے زیادہ نفع بخش سرمایا ہے۔

غرض کہ اجتہاد کسی امر میں محنت مشقت اور مکمل کوشش کا نام ہے۔

اصطلاحی معنی:

﴿ استفراغ الوسع فی تحصیل الظن بالحکم الشرعی ﴾

یعنی کسی حکم شرعی کے متعلق ظن حاصل کرنے کے سلسلے میں فقیہ کا اپنی تمام علمی صلاحیتوں کا صرف کرنا۔(۶)

اجتھاد ایک ایسی کوشش جسمیں فقیہ ایک قضیہ یا کسی حکم فقہی میں کرتا ہے تا کہ ایک ایسے ظن کے ذریعہ جو اس کے لیے حجت ہے (یعنی ایسا گمان جس کے بعد حکم صادر کرسکتا ہے) پہونچے اور یہ قرآن وحدیث نبوی کی طرف مراجعہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو ایسا کرتا ہے مجتہد اور دوسرے جو اس حکم میں اس مجتہد کی طرف رجوع کرتے ہیں مقلد کہتے ہیں(۷) بعض نے اجتھاد کی تعریف میں جو کہا ہے

فی تحصیل الظن باالحکم الشرعی تو یہ تعریف حقیقی نہیں بلکہ یہ تعریف کی ایک وضاحت (شرح اسمی) ہے، ورنہ ظن کی اصل یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا حرام ہے۔

﴿ ولا تقف مالیس لک به علم ﴾ (۸)

﴿ وان الظن لایغنی من الحق شیا ﴾

بے شک گمان حق سے بے نیاز نہیں کرتا۔

تاوقتیکہ برہان ودلیل نہ آجائے اور جب دلیل آجاتی ہے تو وہ امر ظنی نہیں رہ جاتا بلکہ وہ امر بمنزلہ علم شمار کیا جاتا ہے۔

نیز یہ آیت (ان الظن...) اعتقاد سے متعلق ہے۔اس مقام پہ آیت اللہ فاضل کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص اجتہاد کر کے ایک حکم شرعی کا یقین کر لیتا ہے تو اسکا اجتہاد مسلم ہے، اسی طرح اگر کسی نے سعی وتلاش کی لیکن نہ یقین حاصل ہوا اور نہ ہی ظن، بلکہ اس کی سعی کا نتیجہ اصل برائت پر تمام ہوتا ہے تو اس نے بھی اجتہاد کیا کیونکہ اصل برائت بھی حجت ہے۔لہذا اجتہاد حکم شرعی کی حجت کا حاصل کرنا خواہ ظنی ہو علمی ہو یا تعبدی۔(۹) بلکہ مرحوم محقق خراسانی نے تعریف میں ظن کی جگہ لفظ حجت کا استعمال کیا ہے۔یعنی مجتہد اپنی طاقت کو بروی کار لاتا ہے تا کہ حکم شرعی پر حجت اور دلیل حاصل ہو جائے (۱۰) دوسری بہت سی تعریفوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے:

﴿ بذل الطاقة من الفقيه فی تحصيل حكم شرعی ظنی ﴾(۱۱)

اجتهاد: فقیہ کا حکم شرعی ظنی (گمان) کے حاصل کرنے کیلئے قوت کا صرف کرنا ہے۔

لیکن اکثر علماء اصول نے کہا ہے کہ ﴿ اخذالعلم فيه ﴾ مجتہد پوری طاقت صرف کرے یہاں تک علم حاصل ہو جائے۔جسمیں غزالی نے المستصفی میں، خضری الورجلانی الاباضی نے الدلیل والبرہان میں اور امیر بادشاہ الحسینی الحنفی نے تیسیر التحریر میں یہ تعریف کی ہے۔

﴿ انه بذل المجتهد وسعه فی طلب العلم باحكام الشرعيه ﴾(۱۲)

مجتہد شریعت کے احکام میں علم حاصل کرنے کیلئے جو طاقت صرف کرتا ہے اسکو

اجتہاد کہتے ہیں۔

ان سب تعریفوں کا اختلاف اپنی جگہ لیکن ایک واضح سی بات ہے کہ جس طرح عام مواد میں کسی مقصد کے حاصل کرنے کو اجتہاد کہا جاتا ہے اسی طرح ادلہ سے حکم شرعی حاصل کرنے کو اجتہاد کہا جاتا ہے۔

....

۱) لسان العرب (امام علامه ابن منظور) ج ۲ دار حیاء التراث بیروت لبنان ۲) معـالم الدين مطلب التاسع ص ۲۳۲ ۳) (لـغت نامه دهخدا ج ۴ (چهارم) چاپ آفست گلشن (دانشگاه تهران) ۴) مواهب الجليل ۵ :۲۴/ نهاية المحتاج ۴: ۳۹۸، ارشاد فحول ۱۲۶ ۵) الـموسوعة العربيه الموسعة : ماده جهد ۶) كفاية الاصول ص ۵۲۸۔ الـنشرالاسـلامی قم ومهذب اللغات ج ۱: ص ۱۲۹ نـامی پـريس لكهنو ۷) دائـرـة المعارف (فـارسی) ج ۱ : بـاقـی دی وپـكـنـگ پريس نيويارك ۸) سوره اسراء ۳۶ ۹) ايـضاح الـكفاية ج ۶ ص ۳۳۰ آيـت الله فـاضـل لنكرانی ۱۰) ايـضـاح الكفاية ج ۴ ص ۳۲۴ آيـت الله فاضل لنكرانی ۱۱) فـواتح الرحموت فی شرح مسلم الثبوت ج ۲: ص ۳۶۲ روضة الناظره ۲: ۴۰۱ / الاحكام للامدى ۱۳۹ ۱۲) المستصفى ۲ : ۱۰۱ / اصول الفقه للخضرى : ۳۵۷۔

اجتہاد کی دو قسمیں

مجتہد احکام کے تمام ابواب پر احاطہ رکھتا ہے یا جزئی احکام پر، اس سلسلہ میں علماء کی نظر مندرجہ ذیل ہیں:

الف: اجتہاد مطلق، جس میں مجتہد معتبر شرعی دلیلوں، اور قابل اعتماد اصول کے ذریعہ اکثر احکام کے استنباط پر قادر ہوتا ہے(۱)

ب: اجتہاد تجزی، جس میں مجتہد معتبر شرعی دلیلوں، اور قابل اعتماد اصول کے ذریعہ بعض احکام کے استنباط پر قادر ہوتا ہے۔

شیخ مراغی نے لکھا ہے: ﴿ ان المجتهد قد یکون اهلا لاستنباط الاحکام الشرعیه جمیعها ... وذهب اکثر علماء المسلمین الی امکانه ﴾(۲)

مجتہد کبھی تمام احکام شرعی کے استنباط پر قادر ہوتا ہے اور بیشتر علماء اسلام قائل ہیں کہ ایسا ممکن ہے۔

﴿ ما یقتدر به علی استنباط بعض الاحکام ﴾ (۳)

ایسی قدرت وصلاحیت کہ جس کے ذریعہ مجتھد بعض احکام کے استنباط پر متمکن ہوتا ہے۔

﴿ الاجتهاد حالة تقبل التجزؤ والانقسام فیکون الرجل مجتهدا فی نوع من العلم و مقلدا فی غیره ﴾(۴)

اجتھاد ایسی حالت ہے جو جزئیت وانقسام کو قبول کرتا ہے۔ لہذا ایک شخص ممکن ہے ایک باب میں مجتھد ہو اور دوسرے باب میں کسی دوسرے مجتھد کا مقلد ہو۔

﴿ الاجتهاد يتجزأ عند اصحابنا اى الحنابله والاكثر اذ لو لم يتجزأ لزم ان يكون المجتهد عالماً بجميع الجزئيات، وهو محال، اذ جميعها لا يحيط بها بشر ﴾ (۵) ہمارے اصحاب یعنی حنبلیوں اور دیگر بہت سارے فقہاء کے نزدیک اجتہاد میں تقسیم ممکن ہے اور اگر اجتہاد میں تقسیم نہ ہو تو لازم آتا ہے کہ مجتہد تمام جزئیات کا عالم ہو اور ایسا محال ہے۔

سید خوئی، فرماتے ہیں: ﴿ والصحيح فى المقام امكانه كما ذهب اليه الاكثر لا امتناعه ولا وجوبه ﴾

صحیح بات تو یہ ہے اور جیسا کہ اکثر فقہاء نے یہی قبول بھی کیا ہے مطلق اجتھاد ممکن ہے اور اسکا حصول نہ تو سب پر واجب ہے اور نہ ہی محال ہے (۶)

نتیجہ میں کہا جاسکتا ہے کہ جس مجتہد میں قوت درک جتنی ہی زیادہ ہوگی وہ اپنے عمل سے اتنے ہی زیادہ شرعی مسائل کا استنباط اور اجتہاد کرسکتا ہے لہذا مجتھد کا کام حکم خدا کو استخراج کرنا اس شرط کے ساتھ کہ شریعت نے جو حلال وحرام، طہارت ونجاست وغیرہ کی تائید کی ہے اسے مستند دلیلوں کی روشنی میں حاصل کیا جائے۔

---

۱) كفاية الاصول (للمحقق الخراسانى) ۲) الاجتهاد للشيخ المراغى ص ۲۷، ورسالة الاسلام: ا لسنة ۱، ۳ ص ۳۲۵ ۳) كفاية الاصول (محقق الخراسانى)

۴) اعلام الموقعين لابن القيم ۴: ۲۱۶ ۵) شرح الكوكب المنير ۲: ۲۹۸

۶) مبانى الاستنباط: ۵۱۴

اجتہاد کی ضرورت

اسلام میں اجتہاد کو دوسرے ادیان و مذاہب کے مقابلہ میں ایک انفرادی امتیاز حاصل ہے، جو آزادی فکر کی کھلی دلیل ہے یہی اجتہاد، دین کی حیات کا ضامن ہے، اجتہاد علماء کی سب سے اہم ذمہ داریوں میں سے ہے۔ کیونکہ اجتہاد ہی تمام عصری تقاضوں کو پورا کرسکتا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ رافعی فرماتے ہیں :

﴿ کان الاجتھاد واجباً فی الاسلام وقداتفقت علی وجوبه جمیع المذاھب ﴾ (۱)

اسلام میں اجتہاد واجب تھا اور اس کے وجوب پر تمام مذاہب کا اتفاق ہے۔

﴿ فان تنازعتم فی شیء فردوه الی الله و الرسول ﴾ (۲)

پس اگر تم سب کسی امر میں نزاع کر بیٹھو تو اسے خدا اور رسول کی طرف پلٹا دو۔

اللہ اور رسول کی طرف پلٹانے کا مطلب یہ ہے کہ مجتہد کتاب وسنت میں غور وفکر کرے اور اس امر کے متعلق خدا کا حکم استنباط کرے۔

قرآن عام فہم کتاب نہیں ہے بلکہ کہیں تو اس کی آیتیں مجمل ہیں تو کہیں متشابہ جس کی تفسیر و تاویل اللہ کے رسول اور انکے برحق جانشین ہی بیان کرسکتے ہیں۔

مکہ سے کوسوں دور یمن وبحرین وغیرہ کے علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کو

آیات قرآنیہ کے حقیقی مطالب ومفاہیم سے آشنا کرانے کے لیے رسول اللہؐ نے اصحاب و انصار کا سہارا لیا جن میں سب سے زیادہ پیش پیش ہمارے مولیٰ وآقا حضرت علیؑ تھے آپ پیغمبر اسلامؐ کے بیانات کو قلمبند کرتے اور وقت ضرورت ابلاغ کرتے تھے، شریعت کے کلی اصول کے ساتھ ساتھ آنحضرت نے زندگی کے آخری ایام میں اسلامی تعلیمات کی فروعات سے بھی مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا یہی وجہ ہے کہ ہمارے ساتویں امام موسی کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں :

﴿ کل شی ءفی کتاب الله وسنة نبيه ﴾ (۳)

ہر چیز کا حکم کتاب خدا اور اس کے رسول کی سنت میں موجود ہے۔

عہد رسول میں مکمل طریقہ سے اجتہاد کا قانون وضع نہیں ہوا تھا بلکہ کچھ اصول محدود اگرچہ مسلم تھے لیکن مسائل تیزی سے بڑھ رہے تھے جو عہد اوّل میں مجمل یا غیر واضح بیان ہوئے دوسرے دور میں اس کی تفصیل اور فروعات کی توضیح دی گئی۔

خود حضور حقایق قرآن بیان کرتے ہوئے حدیث کی شکل میں علوم و معارف اسلامی، عقائد دینی کی تبلیغ کرتے اور لوگوں کو اسکی ترغیب دلاتے اور ارشاد فرماتے تھے کہ خداوند عالم خوش وخرم رکھے اس شخص کو جو ہماری بات سن سمجھ کر دوسروں تک پہنچائے یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ اپنے علم وخرد کی بنیاد پر احادیث کی تشریح وتفسیر کرکے اسے زیادہ سے زیادہ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں (۴)

حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے سوال کیا گیا کہ کبھی کبھی آپ کے حضور سے شرفیاب ہونا ممکن نہیں ہوتا اور بعض شیعہ حضرات کچھ ایسے مسائل پوچھتے ہیں کہ جن کے جواب سے قاصر رہتا ہوں تو امام نے فرمایا تم کیوں نہیں محمد بن مسلم سے پوچھتے؟ اسی طرح امام نے ابان بن تغلب سے فرمایا ہے: کہ مدینہ کی مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو فتوا دو (۵)

نور اللہ خراسانی لکھتے ہیں :

ابان بن تغلب فقیہ تھے لوگ اپنے مسائل میں انکی طرف رجوع کرتے تھے۔ جب مدینہ میں داخل ہوتے تھے تو حدیث سننے والوں کا ہجوم ہوجاتا تھا یہاں تک کہ مسجد میں کہیں جگہ باقی نہ رہ جاتی اور ابان اس ستون سے کہ جس پر رسول تکیہ دیا کرتے تھے، ٹیک لگا کر لوگوں کے لیے حدیث بیان فرماتے تھے۔(۶)

اسی طرح فتویٰ اور قضاوت میں اجتہاد شرط ہے۔دوسرے بہت سارے احکام جو زمانہ اور ضرورت کے لحاظ سے تبدیل ہونا چاہیے ورنہ وہی پہلا حکم باقی رہے تو مشقت اور ضرر کا خطرہ لاحق ہوجاتا ہے اور اس مشکل کا حل سوائے ایک مجتہد اعلم کے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ وہی اصول شریعت سے زیادہ واقف ہوتا ہے(اس مقام پہ کہا جاسکتا ہے) کہ اجتہاد ہے جو اسلام کی روح کو تازہ، فعال اور متحرک باقی رکھ سکتا ہے۔(۷)

علامہ اقبال عالم اسلام کے مفکر فرماتے ہیں: کہ اسلام وہ تنہا مذہب ہے جو دنیا کو نجات دے سکتا ہے۔اجتہاد کو اسلام کی قوت محرکہ کا نام دیا ہے۔(۸) اب جبکہ احکام سے متعلق آیات کی تعداد میں اختلاف ہے اور اکثر آیات احکام کی جزئیات کا عام طور سے سب کو علم نہیں ہے اور نبی اکرم کا فرمان بھی ہے۔

﴿ ان القرآن ذووجوہ فاحملوہ علی احسن الوجوہ ﴾

بیشک قرآن کی آیتوں میں بہت مطالب ہیں لہذا اسکو بہترین مطلب پر حمل کرو۔

صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿ ان الکلمۃ من کلامنا لتنصرف علی سبعین وجھا ﴾

بے شک ہم اہل بیت کے کلام میں ایک ایک معنی کے ستر معنی نکلتے ہیں۔

لہذا ان سب بیانات سے واضح ہوجاتا ہے کہ قرآن وحدیث میں غور وخوض، تحقیق

واجتھاد کی ضرورت ہے تاکہ صحیح مطالب تک پہنچا جاسکے۔

....

۱) اسلامنا فی التوفیق بین السنة والشیعه۔ ت ۔ ڈاکٹر مصطفی الرافعی (بیروت)

۲) سورہ نساء ۵۹ ۳) اصول کافی ج۱ ص ۶۲ باب فضل علم ۴) مقدمه سیری درصحیحین۔ ط : جامعه مدرسین قم ۵) مذکورہ حدیث کاحوالہ گزرچکا۔

۶) زندگانی امام صادق علیه السلام ۔ نورالله علیدوست خراسانی ص ۲۱۹۔ط فرهنگ اسلامی ۔تهران ۷) رسالة التقریب العدد الثالث ۔ السنة الاولی ۔۱۴۱۴ھ ص۱۱۷

۸) اسلام و مقتضیات زمان ج ۱ ص ۲۳۲ شهید استادمطهری (انتشارات صدرا)

تاریخ اجتہاد

اکثر فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ زمانہ نبی سے اجتہاد تھا۔ اگر چہ اس کی حدود اور کیفیت میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرت کے زمانہ میں کوئی فقھی اختلاف نہ تھا۔(۱) کیونکہ جو احکام بھی وحی کی شکل میں آنحضرت پر نازل ہوتے اسے آپ مسلمانوں کے سامنے عمل کر کے یا زبانی بیان فرما دیتے جس کے بعد کسی دلیل و اجتہاد کی ضرورت ہی پیش نہ آتی تھی۔ (۲)

اکثر علماء کا کہنا ہے کہ اجتہاد نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد اسلامی فتوحات کے آغاز سے شروع ہوا جب کہ کثرت فتوحات اور پرچم اسلام تلے نئی جماعتوں کے اسلام میں داخل ہونے سے نئے مسائل وجود میں آئے اگر ان مسائل کا حل قرآن وسنت میں نص کے طور پر ہوتا تو اس پر کسی اختلاف کے بغیر عمل کیا جاتا لیکن نص نہ ہونے کی صورت میں ایک جماعت اپنی رائ پر عمل کی حامی تھی تو دوسری اس بات کی مخالف، کیونکہ اس طرح دین خدا میں بغیر علم کے عمل کرنے کا خوف تھا۔ دوسرے گروہ نے اجتہاد کو امور قضاوت، مصالح دنیوی اور جنگی امور میں تسلیم کیا ہے علما کا ایک اور گروہ اس بات کا قائل ہے کہ اجتہاد در حقیقت اسلامی فرائض میں سے ایک فرض ہے (۳) اور چونکہ رسول صاحب شریعت تھے، لہذا انھیں اجتہاد کی ضرورت نہ تھی۔ رازی اور بیضاوی جیسے علماء نے کہا ہے کہ رسول کے اجتہاد میں خطا ممکن نہیں۔ (۴) ابن سبکی کا کہنا بھی ہے کہ رسول کے اجتہاد میں خطا نہیں ہوسکتی کیونکہ منصب

نبوت خطا سے منزہ ہے۔(۵) دوسرے علماء اہل سنت اجتہاد رسول کے قائل نہیں ہیں۔ان کی دلیل یہ ہے۔

کہ رسول تو صرف وحی کے ابلاغ پر مأمور تھے اور وحی پر اعتماد کے بعد اجتہاد پر اعتماد درست نہیں ہے کیونکہ اجتہاد میں بہرحال خطا کا امکان پایا جاتا ہے(۶)

محی الدین الموسوی، جناب شیخ کاشف الغطا کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ زمانہ رسول میں اجتہاد کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ حکم شرعی پر قطعی علم کے حصول کا امکان تھا اور لوگ رسول سے براہ راست شرعی احکام معلوم کرلیا کرتے تھے۔

اگرچہ زمانہ نبی کے بعد اجتہاد کا آغاز ہو چکا تھا۔اور پھر عرب وعجم کے اختلاط اور کثرت آراء کی وجہ سے اجتہاد کرنا حکم شرعی جاننا سخت اور دشوار تر ہو گیا۔(۷) البتہ خود نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے اصحاب کو کچھ مسائل میں اجتہاد کی ترغیب دلائی ہے لہذا کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ کا اجتہاد تین صورت سے خالی نہیں ہے یا تو۔

۱) ان کا اجتہاد پیغمبر کے فرمودات میں ہوتا تھا، یا ۲) ان موارد میں ہوتا تھا کہ جن کے لیے نص شرعی وارد نہ ہوئی ہوتی یا۔۳) امور قضاوت میں لوگوں کے درمیان اپنی رای واجتہاد پر تکیہ کرتے تھے۔(۸) مذکورہ اقوال سے روشن ہو جاتا ہے کہ جو اجتہاد زمانہ نبی سے تھا نمیں زیادہ تر مسائل شرعی، حدیث اور قرآن کی شرح وتوضیح پر مشتمل ہوتا تھا اور خود ذات نبی کے لئے اجتہاد کا اثبات شان رسالت کے خِلاف ہے، کیونکہ جنکے کلام کی صحت پر کلام اللہ جیسی مہر ثبت ہو، جنکے افعال کو خدا اپنا فعل کہہ رہا ہو اس رسول کو بھلا کیسے اجتہاد کا پابند مانا جا سکتا ہے۔جملہ فقہاء اسلام کا اتفاق ہے کہ اجتہاد کی بنیاد دو اصل "کلام اللہ اور کلام رسول" پر استوار ہے، اور جب یہ دونوں اصلیں رسول کی ذات سے براہ راست حل ہو رہی ہوں، تو اس علم کل کے ہوتے ہوئے اجتہاد کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مانند

ہے۔یہی وجہ ہے کہ شیعہ علماء تو جانشین رسول یعنی ائمہ معصومین کے لیے بھی اجتہاد تسلیم نہیں کرتے۔

وہ کہتے ہیں کہ رسول کے بعد دینی قیادت امامت کی شکل میں باقی رہی ہے نیز ائمہ کے اور رسول کے احکام شرعیہ بیان کرنے میں کوئی تفاوت نہیں اب اگر ائمہ کا اجتہاد تسلیم کرلیا جائے تو کہیں نہ کہیں کوئی اختلاف ضرور رونما ہوتا ائمہ نبی کے بیان کو ہی ہمیشہ روشن کرتے رہے اور آنحضرت کی روایت کی تشریح وتفسیر کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ زمانہ معصومین سے قریب اسلام کی ابتدائی صدیوں میں جو اجتہاد رائج تھا وہ ایک خاص مفہوم کا حامل تھا جس میں ذاتی رائے اور قیاس واستحسان پر عمل کیا جاتا تھا اور ائمہ اہل بیت کو یہ اجتہاد قبول نہ تھا در حقیقت اس قسم کے اجتہاد پر تکیہ کرنے والے وہ افراد تھے جو ائمہ معصومین سے منحرف اور ظالم حکمرانوں کے حامی تھے اور ان میں کچھ ایسے بھی تھے۔

جو معصومین کو دوسرے فقہاء اور ائمہ مذاہب کی طرح سمجھتے تھے اور اس کی وجہ یا غفلت تھی یا پھر تجاہل عارفانہ۔حق بات تو یہ ہے کہ ائمہ معصومین جو وارث علم رسول تھے ان کا موازنہ دیگر مذاہب کے اماموں سے کرنے کیلئے دو ہی راستہ تھا، یا تو وہ اپنے مذہب کے امام کو حد سے زیادہ بڑھا دیتے تھے یا یہ کہ ائمہ معصومین کو اُن کی عظمت ومرتبت سے بہت گھٹا دیتے تھے لیکن اس دوسری وجہ میں انھیں اپنے بزرگوں کے قصائد جو مدح معصومین میں کہے ہیں اس کا بھی لحاظ کرنا تھا لہذا انھوں نے بڑی دور کی چال چلی جسکے ذریعے نہ صرف یہ کہ اپنے اماموں کا دامن بچا لیا بلکہ ائمہ معصومین کے ہمراہ رسول خدا کو بھی اجتھاد میں جایز الخطا تسلیم کرلیا، حق تو یہ ہے کہ رسول خدا کی زندگی کے آخری لمحات تک وحی کا سلسلہ جاری رہا آپکی حیات طیبہ مسلمانوں کے لیے نمونہ عمل تھی لہذا فطری طور پر رسول کے بعد ایسے افراد کی ضرورت تھی جو آپ کے نہج پر چلتے ہوئے آپکے مکتب فکر کی حفاظت کریں اور جن کی پیروی کی

جا سکے۔

یہی وجہ ہے کہ پیغمبر کے بعد ہمارے اماموں نے حقائق قرآن کی حفاظت کی ،شرعی احکام اور اسلامی معارف بیان کیے علاوہ براین اوائل اسلام سے ہی رسول اور ائمہ نے اجتہاد کی ترغیب دلائی جو اس مصلحت کی بنا پر تھی کہ وحی والہام کے منقطع ہونے کے بعد احکام میں تنگی اور فرسودگی نہ آنے پائے ، بلکہ ہر زمانہ کی ضرورت کے تحت شریعت کا جزئی حکم مستند دلیلوں سے تلاش کر لیا جائے ۔اور قرآن کے ساتھ سنت کا بھی پہرہ بٹھا دیا تا کہ مکتب قرآن کی صحیح طریقہ سے حفاظت ہو سکے۔

غرض کہ شیعہ علماء کے ساتھ بہت سے سنی علماء نے اس امر کی تاکید کی ہے کہ رسول کے لئے اجتہاد درست نہیں ہے۔(۹)

اسی طرح معصوم کا علم الہامی ہوتا ہے یا اپنے پہلے معصوم کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔(۱۰)

پیغمبر سوائے نص کے حکم نہیں کرتے اور اجتہاد ان کے لئے جائز نہ تھا۔(۱۱) بقول امام رازی اس پر بہت سے محققوں کا اتفاق ہے ''پیغمبر کے نزدیک لفظوں کے معنی ، مراد اور مفاد روشن ہوتے تھے لہذا اجتہاد کی ضرورت نہ تھی۔'' (۱۲)

چارلز آدامس کہتا ہے ''شیعہ حضرات نے ائمہ کی حیات تک اجتہاد پر بھروسہ نہیں کیا اور اجتہاد کے محتاج بھی نہ تھے'' کیونکہ جس مسئلہ میں بھی کوئی مشکل پیش آئی امام سے دریافت کر لیا کرتے تھے۔(۱۳) اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی اور امام سے جو کچھ صادر ہوا ہے وہ یقینی ہے اور اس کے علاوہ جو بھی ہے ظنی ہوتا ہے۔سب اس کے حامی ہیں کہ جب تک کوئی واضح دلیل نہ ہو تو باب اجتہاد باز ہے اور اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے بلکہ یہی علماء شیعہ کا فقہی طریقہ کار رہا ہے۔(۱۴)

غرض علماء اہل سنت نے عملی طور پر اجتہاد میں شیعوں پر سبقت کی، اگر چہ ان کی مجبوری بھی تھی کیونکہ بعد رسول سب سے پہلے اصول فقہ میں قاضی القضاۃ ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم ۱۸۲ھ نے کتاب تالیف کی پھر دوسرے علماء اہل سنت جیسے محمد بن الحسن الشیبانی م ۱۸۲ یا ۱۸۹ھ اس کے بعد محمد بن ادریس الشافعی نے رسالہ اصول میں تالیف کیا لیکن شیعہ علماء کو امام محمد باقر اور امام صادق علیہما السلام نے قواعد واصول املاء کرایا جیسا کہ اصول کی سب سے پہلی کتاب ہشام ابن حکم (اصحاب امام جعفر صادق علیہ السلام) نے بحث الفاظ تالیف کیا (۱۵) اور شیخ حر عاملی نے ''الفصول المہمہ فی اصول الائمہ'' جمع کیا، اسی طرح عماد الشیعہ محمد ابن نعمان معروف بہ شیخ مفید (۳۳۶-۴۱۳) نے اصول فقہ میں کتاب تالیف کی پھر ان کے شاگرد الکراجی نے کنز الفوائد اور سید الاجل شریف مرتضیٰ (۳۵۵-۴۳۶) میں ''ذریعہ فی اصول الفقہ'' تالیف کی، پھر شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی نے ''کتاب العدہ'' ساتویں صدی ہجری تک اجتہاد کا حق محفوظ ومفتوح تھا، اسی صدی میں کچھ ایسے ناگوار حالات پیدا ہوئے کہ یہ حق علماء سے سلب ہو گیا اور علماء مجبور تھے کہ دوسری وتیسری صدی کے نظریات کی پیروی کرتے اور یہیں سے فقہی مسائل کی محدودیت مذاہب اربعہ میں ظاہر ہوئی۔

اجتہاد کا سد باب عالم اسلام کا ایک عظیم سانحہ تھا یہ صورت اہل سنت میں پیش آئی، جس سے شیعت بھی متاثر ہوئی۔

ساتویں صدی کے بعد عمیق نظریہ اجتہاد کے سلسلہ میں قائم ہوا اور آخری صدیوں میں یہ اجتہادی رجحان بڑھتا گیا، جس سے روز بروز جمود ورکود فکری ختم ہوتی گئی، اب فقہ اسلامی میں اجتہاد مکمل حیاتی روح رواں بن گیا ہے۔

شیخ مفید کے زمانہ میں اجتہاد کا طریقہ کار الگ، ان کے بعد شیخ طوسی پھر محقق اول

کے زمانہ میں قدرے ترقی ہوئی اور محقق ثانی کے بعد اصولیوں اور اخباریوں میں اختلاف رہا لیکن آخر میں اجتہاد کا واضح اور روشن دور شیخ اعظم مرتضی انصاری سے شروع ہو جاتا ہے۔

....

۱) رسالة التقريب العدد الثانی / ۱۴۱۴ھ دراسات للشيخ سامی الغريری

۲) مقدمه ابن خلدون ص ۴۵۲ دار الاحياء التراث العربی بيروت لبنان

۳) رسالة التقريب العدد الثانی / ۱۴۱۴ ص ۱۷۴ دراسات للشيخ سامی الغريری

۴) اصول الفقه (خضری) ۳۶۰۔

۵) كشف الاسرار ۲۔ ۹۲۶۔

۶) المدخل الی درسة الاديان والمذاهب عبدالرزاق محمد اسود، ج ۱۔ ص ۳۵۳

۷) الاجتهاد والفتوی، ص ۲۳ محی الدين الموسوی۔ للمطبوعات۔ بيروت لبنان

۸) بولتن مرجع (فلسفه فقه) مديريت مطالعات اسلامی۔ سازمان فرهنگ وارتباطات

۹) معارج الاصول ص ۱۸۰ محقق حلی

۱۰) اصول الفقه ۳ ص ۶۱ محمد رضا مظفر

۱۱) تفسير كبير ج ۱۱ ص ۳۳ امام فخر رازی

۱۲) تيسير التحرير ج ۴ ص ۱۸۳ ابن همام

۱۳) هزاره شيخ طوسی ج ۲ ص ۳۳۷

۱۴) امام جعفر صادق عبد الحليم جندی (مصر)

۱۵) دروس فی علم الاصول شيهد محمد باقر الصدر ج ۱ ص ۵۲

اصول اجتہاد

قرآن آسمانی صحائف میں سب سے زیادہ معتبر اور موثق نیز تمام فرق اسلامیہ کے نزدیک متفق علیہ آسمانی کتاب ہے جس کی دو ہزار سے زائد آیتیں احکام سے متعلق ہیں جن میں کچھ آیتیں مجمل ہیں جن کی رسول خدا نے خود اپنی حیات طیبہ میں تشریح و تفصیل بیان فرمادی تھی اور عملی طور پر بھی بہت سی آیتوں پر عمل کر کے لوگوں کو آشنا کرا دیا تھا آپ کے اصحاب آپ سے بہت سی آیتوں کے متعلق سوال کرتے اور اپنے دینی، معاشرتی مسائل کا جواب پا جاتے تھے، اقوال و افعال اور تقریرات رسول جسکو روایت کہتے ہیں سچے اور فرمانبردار مسلمان ان سب چیزوں کو جمع کرنے میں مشغول تھے حیات گرامی رسول سے ہی یہ انکا معمول بن چکا تھا۔

اسی طرح ائمہ معصومین کا بھی قول و فعل اور تقریر (جو آگے کچھ تفصیل سے ذکر ہوگا) شریعت میں حرمت، عدم حرمت، فعل، ترک فعل اور وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

غرض اجتہاد کا بنیادی ماخذ عقل و نقل (کتاب وسنت) ہے۔ رہ گیا قرآن وسنت کے واجب الاطاعت ہونے کی بات تو اس میں کسی فرقہ کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ صاحب اصول الاستنباط فرماتے ہیں۔

۱۔ ﴿ وان المصادر الاولیه للشرعیه التی توخذمنها الاحکام اثنان

﴿الکتاب ۲ ۔السنة﴾

شریعت میں بنیادی اور اوّل درجہ کے ماخذ جن سے احکام حاصل کیے جاتے ہیں۔

وہ دو ہیں ا۔ قرآن ۲۔ سنت۔

﴿ وان الفقه عند هم مبنى على الكتاب والسنة المروية بطريقتهم ﴾(۱)

(شیعہ علماء کے نزدیک) فقہ کی بنیاد قرآن اوران روایات پر موقوف ہے جو انھوں نے اپنے سلسلہ اسناد سے نقل کی ہیں۔

امام مھدی (ع) کی غیبت کے بعد مجتہدین اپنے ائمہ کے بتائے ہوئے اصول کے پابند ہیں اوران کے اقوال وہدایات سے روگردانی نہیں کرتے صرف فرعی احکام میں اجتہاد کرتے ہیں جس کی تائید خود حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے اس قول سے ہوتی ہے۔

﴿ علينا القاء الاصول وعليكم التفريع ﴾

احکام کے کلی اصول وقواعد کا بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے اوران سے فروعات کا حل کرنا تمہاری ذمہ داری ہے (۲)

یہی وجہ ہے کہ فرعی مسائل میں ہمارے فقہاء غیبت امام علیہ السلام میں قرآن و احادیث کی روشنی میں اجتہاد کرتے ہیں اور آج تک یہی سلسلہ جاری ہے لیکن جیسے جیسے صدر اسلام سے فاصلہ ہوتا گیا دوسرے عناصر، نئے تمدن کی وجہ سے پیچیدہ مسائل پیدا ہوتے گئے اور ایک مدت بعد شہرت فتوائی اور پھر اجماع وعقل بھی توجہ کا سبب بنی۔

....

۱) المدخل الی دراسة ۔ج ۱ ص ۳۵۲۔ ۲) وسائل الشیعه ج ۱۸ ح ۴۰ ب ۶

اجتہاد کا نظام درسی

دینی تعلیم کا آغاز عربی ادبیات، صرف، نحو، معانی بیان، منطق وغیرہ سے شروع ہوتا ہے جس کے ذریعہ طلاب عربی زبان وادبیات پر مہارت پیدا کر لینے کے بعد قرآن و احادیث کو درک کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے ان مقدماتی دروس کو آج کی اصطلاح میں مقدمات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس کے مراحل محنتی اور ہوشیار طالب علم چار سے پانچ سال کے درمیان طے کر لیتے ہیں، اگرچہ بعض طلاب اپنا کافی وقت انھیں مقدمات میں ضایع کرتے ہیں اگرچہ طلاب منیۃ المرید (شہید ثانی) کے طے شدہ مقدار کا مطالعہ کریں تو ان کا وقت ضایع نہ ہوگا۔

اس کے بعد کا مرحلہ سطح کے نام سے معروف ہے جس میں فقہ اور اصول کی کتابیں تدریس ہوتی ہیں فقہ کا ایک دورہ اسی مرحلہ میں طہارت سے لے کر دیات تک اور اصول کا ایک دورہ مباحث الفاظ سے لیکر تعادل اور تراجیح تک طے پاتا ہے جس میں تقریباً تین سے چار سال کا عرصہ گذر جاتا ہے ساتھ ہی تفسیر وحدیث، کلام ورجال اور قدرے علوم عقلی جیسے فلسفہ وغیرہ بھی پڑھتے ہیں اور اپنے ہم کلاس طلاب سے مباحثہ بھی کرتے ہیں اصول کی معیاری کتابیں شیخ مرتضی انصاری کی فرائد الاصول محقق خراسانی کی کفایۃ الاصول شہید باقر الصدر کی دروس فی علم الاصول، شیخ مظفر کی اصول الفقہ ہیں جن سے استنباط کی دلیلوں کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور اجتہاد کے دریچوں کو باز کرنے میں مدد ملتی ہے اور فقہ کی

معیاری کتابیں شہید ثانی کی اللمعۃ الدمشقیۃ محقق حلی کی شرائع الاسلام ہیں جن کو پڑھکر طلاب طہارت سے لے کر دیات تک ایک دورہ فقہ سے مکمل طور پر آشنا ہو جاتے ہیں ان کتب کی تکمیل کے بعد درس خارج کی باری آتی ہے جس میں بلند پایہ کے فقہاء ومراجع درس دیتے ہیں وہ اپنے درس میں ماسبق فقہا و مراجع کے نظریات اصولی قواعد وضوابط نیز فقہی قواعد کی روشنی میں تجزیہ وتحلیل کرتے ہیں اور بسا اوقات استاد کے بیان اور اُن کی دلیلوں پر درس میں حاضر طلبہ اعتراض واشکال کرتے ہیں اور استاد بڑی متانت سنجیدگی اور دقت نظر سے جواب دیتا ہے۔

انھیں دروس وتقریرات سے عام طور پر اعلمیت ومرجعیت کی تشخیص ہو جاتی ہے ورنہ ظاہری طور پر مرجع کی تشخیص کے لیے کوئی مقیاس ومعیار معین نہیں ہے جس مجتہد میں ملکہ استنباط جتنا قوی ہوتا ہے وہ طلاب کے اعتراضات کا جواب اتنا ہی مدلل واطمینان بخش دیتا ہے جس سے اسکی اعلمیت طلاب وعلماء کے زیر بحث آتی ہے۔ اور پھر مرجع کی تشخیص میں دقت پیش نہیں آتی اس طرح جن مسائل میں حاضرین درس استاد کی دلیلوں سے مطمئن ہو جاتے ہیں اور دیگر علماء اس کے استخراج سے قاصر ہوتے ہیں ناچار اس کی دلیلوں کو تسلیم کر لیتے ہیں اور پھر شرعی احکام میں اسی کی تقلید کرتے ہیں۔

گرچہ یہ سنت آج کے دور میں مدھم ہوگئی ہے اور اس معیار پر علماء کو بہت کم تولا جاتا ہے، اللہ ہمیں توفیق دے کہ مرجع وقت کو معصومین علیہم السلام کے قائم کردہ معیار میں تلاش کریں۔

اجتہاد کے شرائط

اس سلسلہ میں علماء کی عبارتوں میں اجمال و تفصیل کے اعتبار سے فرق ضرور ہے لیکن مفہوم اکثر کا ایک ہی ہے مثلاً غزالی نے دو بنیادی شرط رکھی ہے ۱) مجتہد دینی مدارک پہ احاطہ رکھتا ہو ۲) عادل ہو یعنی گناہوں سے اجتناب کرنے والا ہو۔ (۱)

ممکن ہے بعض کہیں کہ اس شرط کے لئے دلیل نہیں ہے ایک مجتہد عادل نہ ہو مجتہد ہو تو اس لئے مصلحت اس بات کا تقاضا کرتی ہے اور ہماری عقل بھی قبول کرتی ہے کہ دراصل تقویٰ غایت نہیں بلکہ طریق ہے یعنی ایصال الی اللہ کا ایک ذریعہ ہے۔

شہید ثانی فرماتے ہیں:

اجتہاد کے لیے چھ چیزیں بنیادی شرط ہیں جن میں اصول و کلام بہت ہی اہم ہیں (۲)

علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

اجتہاد کے لیے دو وصف سے متصف ہونا ضروری ہے ۱) مقاصد شریعت سے نہایت درجہ آگاہی ۲) اور اپنی فہم سے استنباط پر قدرت (۳) تفصیل یوں بیان کی گئی ہے:

(الف)

۱) عربی زبان کا عالم ہونا اس حد تک کہ فہم قرآن وحدیث میں مشکل پیش نہ آئے۔

۲۔قرآن وآثار معصومین علیہم السلام کے محاورات وکنایات سے آگاہی رکھتا ہو۔

۳۔اصول اور قواعد فقہی پر اس حد تک مسلط ہوتا کہ ان اصول وقواعد سے حکم شرعی کا استنباط کر سکے۔

۴۔مذکورہ علوم کے ساتھ ساتھ منطق، رجال، ریاضیات وغیرہ کا علم اور ماسلف فقہاء کے اقوال کی تحقیق وتصریح کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۵۔کلی اصول کی تکرار سے تحصیل فروعات کی عملی توانائی۔

۶۔راویان حدیث کی جرح وتعدیل صحت اور سقم کے لحاظ سے جانکاری رکھتا ہو۔

(ب)

۱) نیت اور اعتقاد کی صحت (۴) ۲) فہم سالم اور حسن تدبیر ۳) حقیقت اسلام کو درک کرنا ۴) خوش طبع ومطیع پروردگار، حافظ دین ہو، تقوا واخلاص بھی اجتہاد میں دخالت رکھتا ہے۔روایت کے مطابق ایسا ہی مجتہد ومفتی مرجعیت کے لایق ہوتا ہے۔غیبت کبریٰ میں اجتہاد ایک نئے مفہوم کا حامل بن چکا ہے اور مجتہد وفقیہ کی شان اور مرتبہ درس وبحث سے بڑھکر قیادت تک پہونچ چکی ہے۔لہذا مجتہد اجتہاد کے علمی اور عملی مقدمات کو طے کرنے کے ساتھ ساتھ دنیاوی، ثقافتی، اقتصادی، سیاسی، سماجی مسائل کا علم بھی رکھتا ہوتا کہ شرعی احکام کو عملی جامہ پہنا سکے۔بقول امام خمینی طاب ثراہ جو مجتہد یہ کہے کہ میں سیاسی مسائل میں اظہار نظر نہیں کرتا تو ایسا مرجع عوام اور جوانوں میں قابل قبول نہیں۔

ان شرائط کا ایک مجتہد مطلق میں پایا جانا ضروری ہے ایک مجتہد اگر حوزہ کے علوم رائج میں اعلم ہو لیکن سماجی مصلحتوں کو درک نہ کرتا ہو، صالح مفید افراد کو غیر صالح سے جدا نہ کر سکے، اجتماعی وسیاسی مسائل میں دوراندیش اور فیصلہ کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو یہ شخص اجتماعی اور حکومتی معاملوں میں مجتہد نہیں ہوگا اور سماج کی باگ ڈور نہیں سنبھال سکتا (۵) کیونکہ ہنر توان

علوم کو عملی جامہ پہنانا ہے فقہ کے سارے مسائل حیات بشری سے متعلق ہیں لہذا ان مسائل سے آگاہ ہوں۔

حضرت امام خمینیؒ نے نجف اشرف کی مسجد شیخ انصاری میں اپنے درس میں فرمایا تھا :ای عزیز طالب علموا تمہیں چاہیے کہ بازار ہو ویش میں جا کر مسائل (دینی) کی تحقیق و تطبیق کرو نہ کہ مدرسہ کے کمروں میں فقط پڑھتے اور چھان بین کرتے رہو یہ ایک فرضی تھیوری ہے اب اگر فقہ علم ہے اور سماج سے متعلق ہے تو تمہیں چاہیے کہ سماج کی ضرورت اور واقعیت کو محسوس کرو پھر فقہی قواعد اس پر تطبیق کرو۔(۶) واقعیات کو معاشرہ اور بازار سے حاصل کرنا چاہیے اس کے بعد اپنی فقاہت کو ان واقعیات سے ہماہنگ کرو تا کہ تمھاری زحمتیں رائگاں نہ جائیں، احاطہ کلام سے دوسری معروف شرط کو ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

....

۱) المستصفی للغزالی ۲ : ۱۰۲

۲) رسالة الاجتیاد للبهبهانی ص ۳۷,۴۷

۳) الموافقات للشاطبی ۴ : ۱۰۵

۴) اسلامنا ص ۱۰۴ ۔ ڈاکٹر مصطفی الرافعی ۔الدارالاسلامیه بیروت

۵) صحیفه نور ج ۲۱ ص ۴۶ (امام خمینی (ره)

۶) اجتهاد زمان ومکان ج ۳ ... مبانی فقهی حضرت امام خمینی

اجتہاد، قرآن کی روشنی میں

اجتہاد کے سلسلہ میں قرآنی آیات کی روشنی میں گفتگو کرنے سے پہلے، مناسب ہوگا کی خود قرآن کے بارے میں چند باتیں پیش کردی جائیں۔

حقیقت قرآن :

قرآن : غفران کے وزن پر قرائت کے معنی میں آیا ہے۔اس کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

﴿ الکلام المعجز ﴾، ﴿ القرآن ھو کلام الله المنزل علی النبی (صلی الله علیه وآله) المکتوب فی المصاحف المنقول بالتواتر المتعبد بتلاوته المعجز ولوبسورة منه ﴾

قرآن، معجز نما کلام ہے۔قرآن نبی کریم پر نازل ہونے والا اللہ کا کلام جس کو مختلف شکل وصورت کے صحیفوں میں مدون کیا گیا ہے یہ تواتر سے نقل ہوا ہے اس کی تلاوت کا حکم دیا گیا ہے اور یہ ایسی معجز نما کتاب ہے جس کے ایک سورہ کا بھی جواب نہیں لایا جاسکتا۔

اگر قرآن کے بارے میں غور کیا جائے تو یہ بات بڑی آسانی سے روشن ہوجاتی ہے کہ قرآن فقط کسی ایک فقہ ونظر میں محدود نہیں ہے جس طرح آج دنیا کے کسی بڑے سے

بڑے دانشمند کا علمی شاہکار ملاحظہ فرمائیں تو دیکھیں گے کہ اس میں محدودیت ونقائص ہیں اس کی بحث میں تنگی ضرور دکھائی دیگی لیکن قرآن جس پر چودہ صدی سے زیادہ اجتماعی طور پر تحقیقی کام ہورہا ہے پھر بھی اس کے اسرار، رموز اور مطالب میں کوئی محدویت، اختتام اور تنقیص نہیں دکھائی دیتی بلکہ روز بروز نوآوری، جدّت حقائق اور انسانوں کے لئے کمال ہدایت کے اسرار ورموز منکشف ہوئے جاتے ہیں۔

حجیت قرآن :

قرآن کا قطعی الصدور ہونا تواتر سے ثابت ہے اور اسکی صداقت کا اعلان خود قرآن میں اس الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

﴿ لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه ﴾

اس قرآن کے مقابل باطل کے آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

یہ رسول پر وحی کے ذریعہ آیا خود قرآن کہتا ہے۔

﴿ وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی ﴾(۳)

اللہ کا کلام ہے جو رسول خدا (ص) پر نازل ہوا اور جسکی مدد سے پیغمبر نے حیات بشری کے ہر موڑ پر احکام الٰہی اسی قرآن سے اخذ کر کے لوگوں کے سامنے بیان کیے۔ لہذا قرآن ہی قوانین الٰہی کا اصل مصدر ہے جس کو شان نزول کے اعتبار سے حضرت علی علیہ السلام نے قلمبند فرمایا: جس میں عام وخاص مطلق ومقید محکم ومتشابہ ناسخ ومنسوخ رخصت وعزائم سنن وآداب سبھی کا مکمل بیان موجود ہے جسکو بعض روایات میں جامع کہا گیا ہے اس کتاب کا طول وعرض ستر ہاتھ کے برابر ہے اور اس میں قیامت تک پیش آنے والے مسائل کا حل ہر چیز کے حلال وحرام کا مفصل بیان ہے یہاں تک کہ خراش کا دیہ بھی بیان کیا گیا ہے (۴)

حضرت امام جعفر صادق (ع) کا ارشاد گرامی ہے :

﴿ اماوالله عندنا مالا نحتاج الی احد والناس یحتاجون الینا ﴾

خدا کی قسم جو علم ہمارے پاس ہے وہ کسی کے پاس نہیں ہے، ہم کسی مسئلہ میں کسی کے محتاج نہیں لیکن لوگ ہمارے محتاج ہیں (۵)

﴿ والذین لایجدون الاجهدهم ﴾ (۶)

﴿ الذین اقسمو بالله جهد ایمانهم ﴾ (۷)

﴿ والذین جاهدو افینا لنهدینهم سبلنا ﴾ (۸)

جنھوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ہم انہیں ضرور اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے۔

جناب فراء کا کہنا کہ: ان آیتوں میں جہد طاقت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔(۹) یہاں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن میں بھی اجتہاد اپنے لغوی معنی سے مختلف نہیں ہے۔

﴿ ونزلنا علیك الكتاب تبیا نا لكل شی وهدی ورحمة وبشری للمسلمین ﴾ (۱۰)

اور ہم نے تم پر کتاب (قرآن) نازل کیا جسمیں ہر چیز کا (شافی) بیان ہے۔ اور یہ قرآن مسلمانوں کے لیے سراپا ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے۔

﴿ مافرطنافی الكتاب من شئ ﴾ (۱۱)

ہم نے اس قرآن میں کوئی بھی چیز فروگذاشت نہیں کی ہے۔

﴿ وانزلنا علیك الذكر لتبین للناس مانزل الیهم لعلهم یتفكرون ﴾ (۱۲)

اے رسول ہم نے آپ کی طرف قرآن بھیجا تا کہ آپ لوگوں کے لیے ہر وہ حکم صاف صاف بیان کر دیں جو ان کے لیے نازل کیا گیا ہے۔

﴿ وماانزلنا علیك الكتاب الالتبین لهم الذی اختلفو افیه وهدی

ورحمة بقوم یومنون ﴾(۱۳)

اور ہم نے تم پر قرآن اس لیے نازل کیا تا کہ جن باتوں میں یہ لوگ باہم اختلاف کرتے ہیں ان کو تم صاف صاف بیان کردو۔

یہ آیتیں دلالت کرتی ہیں کہ قرآن احکام کے بیان وتوضیح اور اختلافی موارد کے حل کے لیے نازل ہوا ہے۔ تفسیر میں آیا ہے کہ قرآن سابقہ آسمانی کتابوں کا خلاصہ ہے اور اس میں ماسبق تمام انبیاء ورسل کے علوم ومعارف کا خزانہ موجود ہے جس میں تمام مشکل عناوین کا حل نیز مجملات کی شرح بیان کی گئی ہے۔ قرآن اس لیے نازل ہوا ہے کہ اس کے اصول وضوابط کی روشنی میں ان مسائل کو حل کیا جائے جو لوگوں میں موردنزاع ہوتے ہیں جیسے حلال وحرام وغیرہ۔

جب کہ ہم یہ دیکھتے ہیں اکثر احکام مجمل بڑے پیچیدہ اور غیر واضح ہیں اور سوائے بعض اہل علم کے کوئی بھی روزمرہ کے مسائل کا استنباط نہیں کرسکتا۔

﴿ ھوالذی انزل علیك الکتاب منه آیات محکمات ھن ام الکتاب واخرمتشابھات ﴾ (۱۴)

وہ خدا کہ جس نے تم پر کتاب اتاری ہے اس میں بعض آیتیں محکم ہیں (یعنی جن کے معنی واضح ہیں) یہی اصل واساس قرآن ہیں اور بعض آیتیں متشابہ ہیں (یعنی جن کے معنی غیر واضح ہیں)

آیات کی ایک قسم وہ ہے جن کی مراد معین ہے لغت و ترکیب وغیرہ کے لحاظ سے اس کے الفاظ میں کوئی ابہام واجمال نہیں پایا جاتا اور نہ ہی اس کی عبارتوں میں کئی معنی کا احتمال دیا جاسکتا ہے۔ آیات کی دوسری قسم وہ ہے کہ جن کے معنی سوائے راسخون فی العلم کے اور کوئی نہیں جانتا اگر زبردستی اس کے معنی بیان کیے جائیں تو غلطیوں اور لغزشوں سے

محفوظ نہیں رہا جا سکتا لہذا اس کی تاویل وتفسیر سے باز رہنا چاہئے ورنہ یہ قرآن کے معانی میں تحریف کے مترادف ہوگا جو اسلام کے مسلمہ اصول اور محکم آیات کے بالکل خلاف ہے مثلاً قرآن کریم میں حضرت مسیح (علیہ السلام) کو حضرت آدم (علیہ السلام) جیسا بشر اور بندہ قرار دیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

﴿ ان مثل عیسی عندالله کمثل آدم خلقه من تراب... ماکان الله... ان یتخذمن ولد سبحانه ﴾(۹)

بلا شبہ عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے کہ انھیں بھی اللہ نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

اسی طرح دیگر آیات میں حضرت عیسیٰ کے خدا ہونے کی تردید کی گئی ہے اب اگر کوئی شخص ایسی محکم آیات سے آنکھیں بند کر کے **﴿ کلمة القاها الی مریم وروح منه** جیسی متشابہ آیات کو اپنا لے اور وہ معانی جو محکمات کے موافق ہیں انھیں نظر انداز کر کے متشابہات کے سطحی معنی پر ٹک جائے اور حضرت عیسی کو اللہ کا بیٹا یا ثالث ثلاثہ (خدا) مان لے تو یہ ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟ قرآن گام بگام انسانوں کو دعوت فکر و تدبر دیتا ہے۔

قرآن کے الفاظ عربی گرامر کے اعتبار سے دو حال سے خارج نہیں ہیں یا وہ اپنے معانی پر صریحی طور سے دلالت کرتے ہیں شرع کی اصطلاح میں انھیں نص کہا جاتا ہیں یا صریح طور پر دلالت نہیں کرتے اس کی بھی دو صورت ہے یہ لفظ دو معنا رکھتا ہوگا تو جو معنا رجحان رکھتا ہوگا اسے ظاہر اور دوسرے کو مؤول کہا جاتا ہے اور اگر دونوں معنی برابر کے لفظ سے تبادر کریں تو ایسا لفظ مجمل کہا جاتا ہے۔ اس طرح یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ نص اور ظاہر دونوں محکم اور مؤول و مجمل متشابہ ہیں۔ لہذا قرآن فہمی کے لیے ان باریکیوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے لیکن اگر ائمہ معصومین کی بیان کردہ تفسیروں کو اپنا لیا جائے تو کافی حد تک

ہماری مشکلیں آسان ہو جائیں گی البتہ خود ائمہ کے اقوال کو سمجھنا اس کے نشیب و فراز سے مطلع ہونا بھی ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ ائمہ کے اقوال کو سمجھنے کے لیے کثیر علم، عربی ادب سے آشنائی، حدیث شناسی اور درایت کے فن میں بھی کافی مہارت ہونی چاہیے دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے تو بہتر ہوگا کہ احادیث معصومین کی روشنی میں قرآن کے معانی و مطالب سمجھنے کے لیے بھی اجتہاد درکار ہے اسی لیے قرآن میں ارشاد ہے:

﴿ فلولا نفرمن کل فرقه منهم طائفه ليتفقهوا فی الدين﴾(۱۰)

کیوں نہیں ہر گروہ میں سے ایک جماعت دین کا علم حاصل کرنے لیے نکلتی اور پھر جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئے تو اسے عذاب الٰہی سے ڈرائے کہ شاید وہ اسی طرح ڈرنے لگیں۔

یہ آیت، آیت نفر یعنی ''کوچ کرنے'' کے نام سے یاد کی جاتی ہیں جس سے علم دین حاصل کرنے کے وجوب کفائی پر استدلال کیا جاتا ہے صورت استدلال یہ ہے کہ لفظ ''لولا'' جسے علم نحو کی اصطلاح میں لولائے تخضیضیہ کہا جاتا ہے تحصیل علم کے وجوب پر دلالت کرتا ہے لہذا کوچ واجب ہوا اور جب کوچ واجب ہے تو تفقہ کا مقصد یعنی قوم کا انذار بھی واجب ہوا جو بغیر فقہ میں مہارت حاصل کیے ممکن نہیں ہے لہذا فقہ میں مہارت واجب ہوئی جسے دوسرے لفظوں میں اجتہاد کرنا، کہا جاتا ہے اور واجب کفائی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ اگر دین میں تفقہ حاصل کریں تو دوسروں سے یہ تکلیف ساقط ہو جائیگی اور پھر ان بعض میں جو حضرات درجہ اجتہاد پر پہنچ چکے ہوں گے ان میں سب کے سب مساوی بھی نہ ہوں گے لہذا آراء و نظریات میں اختلاف ہوگا اور فطری طور پر قوی، برجستہ، ٹھوس ادلہ رکھنے والے مجتہد کے فتوے کو دوسرے بھی تسلیم کریں گے اور ہر زمانہ میں ان صفات سے متصف ایک اعلم اور مرجع کی شکل میں ابھر کر آئے گا۔ اور دنیا کا ہر صاحب عقل و خرد ایسے ہی

علماء ومراجع کی پیروی کرے گا اور اس طرح ہر قوم ومعاشرہ میں یہی روش شایستہ اور سنت حسنہ بن جائے گی، گرچہ اس آیت کے ضمن میں اور بھی باتیں اور علماء کا اختلاف ہے لیکن کتاب کو طولانی ہونے کے خوف سے اسی پر اکتفاء کی جاتی ہے۔

....

۱) محاضرات فی علوم القرآن۔ڈاکٹر نور الدین ۲) قرآن .... ۳) قرآن

۴) ...... ۵) الامام جعفر صادق (ع) عبدالحلیم الجندی (قاہرہ)

۶) س۔ توبہ، ۷۹ ۷) س مائدہ، ۵۳ ۸) عنکبوت ۶۹

۹) ترجمہ وتفسیر قرآن ۔ڈاکٹر شبیر عثمانی (مکہ) ۱۰) قرآن توبہ ۱۲۳

اجتہاد سنت کے آئینہ میں

آیئے سب سے پہلے ہم سنت کے معنی اوراس کی حجیت پر قدرے بحث کرلیں پھر اس کی روشنی میں اجتہاد پر بات ہوگی سنت کا لفظ قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا ہے۔

﴿ ولن تجد لسنه الله تبديلا ﴾

سنت کی تعریف :

﴿ الطريقة المسلوكه وا صلهامن قولهم سننت الشيء بالمسن اذا آمررته عليه حتى يؤثرفيه سنا اى طريقا ﴾(۱)

سنت یعنی راہ وروش ، یہ لفظ سنت الشی سے نکلا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی ایسے راستہ پر گامزن ہوجانا جوسالک راہ کے لیے مفید ثابت ہو وہ راستہ جس پر چلا جائے۔ علماء کے نزدیک ایسے راستہ پر چلنا جورائج ہو۔

سنت کے علاوہ کبھی قول ، فعل ، تقریر جیسے الفاظ بھی اسی معنی میں استعمال ہوتے ہیں شیعہ وسنی علما کے نزدیک سنت کی تفسیر میں اختلاف ہے سنی حضرات صرف پیغمبر خدا کے قول و فعل وتقریر کوسنت جانتے ہیں جبکہ شیعہ حضرات پیغمبر کے ساتھ ائمہ معصومین اور جناب سیدہ کے اقوال وافعال وتقریرات کوسنت اوراسے حجت مانتے ہیں۔ان کے نزدیک اہلبیت کے علاوہ کسی کا قول وفعل اور تقریر سنت نہیں بن سکتا۔ ہم پر سنت کا اتباع کرنا واجب ہے پیغمبر کا ارشاد ہے: عليكم بسنتى (۲) تمہارے اُوپر لازم ہے کہ میری سنت پر عمل کرو۔ بلکہ

پیغمبر اسلام کی اجتماعی زندگی اور آپ کے حضور میں کثرت سے لوگوں کی رفت و آمد نیز سنت رسول پر عمل کرنے کے سبب مدینہ کو سنت کا شہر کہا گیا ہے چنانچہ لوگ اپنے دینی، فکری، اخلاقی، سماجی مسائل کا حل اس بیش بہا گنجینہ یعنی سنت سے اخذ کیا کرتے تھے۔ قرآن نے بھی ہمیں یہی تعلیم دی ہے کہ:

﴿ وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نهاکم عنه فانتهوا ﴾ (۳)

اور رسول اللہ (ص) جو تم کو دیں اسکو لے لو اور جس چیز سے منع کر دیں باز آجاؤ۔

خود رسول نے ہماری نجات کیلئے دو گراں قدر چیزیں چھوڑیں ہیں لہذا ہمیں سنت رسول کی پیروی میں ان دونوں چیزوں سے تمسک کرنا ہوگا آپ فرماتے ہیں:

﴿ انی تارك فیکم الثقلین کتاب الله وعترتی اهل بیتی ﴾ (۴)

میں تمہارے درمیاں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اللہ کی کتاب اور اپنی عترت۔

حضرت امام علی علیہ السلام نے بھی اس سنت کی پیروی کرنے کے لئے تاکید کی ہے۔

آپ فرماتے ہیں: ہرگز اللہ کا شریک قرار نہ دو اور اس کے رسول کی سنت کو ضایع نہ کرو۔

قرآن و اہل بیت ہی اسلام کے مستحکم ستون ہیں اور ان تابندہ چراغوں سے کسب فیض کرنا ہمارا فریضہ ہے ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے اختلافی مسائل و مشکلات کو انھیں دونوں کی طرف رجوع کر کے حل کریں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی الله والرسول ان کنتم تومنون بالله والیوم الاخر ﴾ (۵)

جب کسی امر میں اختلاف اور کشمکش ہو جائے تو اگر واقعاً اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو خدا اور رسول کے حوالے کر دو۔

حضرت امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿ فردوه الى الله ان نحكم بكتابه ، وردوه الى الرسول ان ناخذ بسنه، فاذاحكم بالصدق فى كتاب الله ،فنحن احق الناس به،وان حكم بسنة رسول الله (ص) فنحن احق الناس واولاهم بها ﴾(۶)

اللہ کے حوالے کرنے کا مقصد ہے قرآن کے مطابق فیصلہ کریں اور پیغمبر کے حوالے کرنے کا مقصد ہے سنت رسول کا اتباع کریں۔اسی لیے علماء اسلام نے اپنے اجتہاد واستنباط کا دارومدار قرآن وسنت کو قرار دیا ہے

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اوائل خلافت میں سخت ونازک موقع پر جب مغیرہ بن شعبہ نے مشورہ دیا کہ اے امام ابھی معاویہ کو شام کی گورنری پر رہنے دیجئے اور جب حالات سازگار ہوں گے تو اس کو معزول کر دیجئے گا۔امام نے جواب دیا خدا کے حضور میں قرآنی اصول سے اس کا فیصلہ کروں گا۔ امام نہیں چاہتے تھے کہ کسی اختلاف کو پوشیدہ رکھکر اس سے سیاسی فائدہ اٹھایا جائے، یہاں امام کے کے کردار میں دورخ ہیں وہ یہ کہ مقام فضیلت میں تاوقتیکہ لوگ بھی امام کی بیعت نہ کریں ضروری نہیں ہے۔ چونکہ امام خدا کے نمایندہ تھے انھیں مملکت وسلطنت کی حفاظت سے زیادہ انس ومحبت قرآن وسنت کے نفاذ سے تھا۔اسی لیے امام نے ہر جنگ سے پہلے تقاریر، خطوط یا نمایندوں کے ذریعہ صلح ومصالحت کا راستہ اختیار فرمایا۔مثال کے طور پر آپ فرماتے ہیں:

﴿ الاوان لكم علينا العمل بكتاب الله وسنة رسوله (ص) والقيام عليكم بحقه والتنفيذ لسنته ﴾(۷)

آگاہ ہو جاؤ کہ تم پر ہماری اطاعت کا حق یہ ہے کہ تم کتاب خدا اور اسکے رسول کی سنت پر عمل کرو اور سنت رسول کو معاشرہ میں نافذ کرو۔

رسول اللہ کے بعد امام علی اور دوسرے ائمہ علیہم السلام، کی پوری کوشش اور تاکید اسی بات پر تھی کہ کتاب وسنت پر عمل کرنا سب سے اہم فریضہ اور اسی میں دنیا و آخرت کی سعادت مضمر ہے۔

....

۱) دائرة المعارف الاسلاميه الشيعه ج ۷ حسن الامين. دارالتعارف للمطبوعات

۲) سنن ابن ماجه ج۱ ح ۴۲

۳) سوره حشر۷

۴) بحارالانوار ج ۲ص ۲۲۶ر ج ۲۳ ص ۱۰۹

۵) س نساء ۵۹

۶) نهج البلاغه ـ ومن كلام له عليه السلام ص ۱۳۰

۷) تاريخ الطبری ج ۴ ص۵۴۹ دارالمعارف مصر

اسلام میں سیرت معصومینؑ

کیا قرآن کے ہوتے ہوئے کسی کی سیرت پر عمل کرنے کی ضرورت ہے؟ کیا قرآن سنت کی تائید یا سنت قرآن کی تائید کرتا ہے؟ دراصل سیرت معصومین اسلام کے کلی قواعد واصول کو بیان کرتی ہیں قرآن مجید میں بہت سے کلیات کی تشریح سنت وسیرت رسول کے ذریعہ بیان ہوتی ہے اور یہ سلسلہ روز اول سے ہی جاری رہا ہے۔ انبیاء ومرسلین آسمانی کتابوں کے اصول وقواعد کی تشریح وتوضیح کے ذمہ دار رہے ہیں ارشاد خداوندی ہے :

﴿ ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃوان کانوامن قبل لفی ضلال مبین﴾(۱)

خدا وہ ہے کہ جس نے امیوں کے درمیان انھیں میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو ان کے قلوب کو پاکیزہ اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے جب کہ وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

اس آیت مبارکہ میں مفسرین کا کہنا یہ ہے کہ الکتاب سے مراد خود قرآن مجید ہے اور حکمت سے مراد سنت رسول ہے۔(۲) رسول نے انھیں اللہ کی طرف دعوت دی اور کفر وشرک سے پرہیز کرنے کا حکم دیا حدیث ثقلین کے آخر میں آنخضرت کا ارشاد ہے۔

﴿کل منھما معدن للعلوم الدینیۃ والاسرار والاحکام الشرعیہ﴾

یہ دونوں (قرآن وعترت) علوم دین، اسرار واحکام شرعی کے منبع ومصدر ہیں۔

اسی وجہ سے پیغمبر نے اہل بیت کی اقتدا اور ان سے تمسک کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ثم احق من یتمسك به منهم: امامهم وعالمهم علی بن ابیطالب کرم الله وجهه﴾ (۳)

پھر اہل بیت میں جو سب سے زیادہ تمسک وقربت کا حق رکھتے ہیں وہ لوگوں کے امام و پیشوا امت کے عالم حضرت امام علی ابن ابی طالب (کرم اللہ وجہہ) ہیں

یعلمهم الکتاب والحکمه سے مراد قرآن وسنت اور سیرت معصومین ہے جس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جسکو احمد بن حنبل نے مناقب میں حمید بن عبداللہ بن زید سے نقل کیا ہے:۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کسی شخص نے حضرت علی علیہ السلام کی قضاوت پر تعجب وحیرت کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا:

﴿الحمدالله الذی جعل فینا الحکمة اهل البیت﴾

ساری حمد اس اللہ کے لیے جس نے ہم اہل بیت میں حکمت قرار دی ہے (۴)

بے شک پیغمبر نے قرآن کے مطابق جزئیات وتفصیلات کو بیان فرمایا: آپ تمام علوم اسلامی کے عارف اور انسانی تقاضوں سے واقف تھے آپ نے اپنی حیات طیبہ میں ہمیشہ کے لیے احکام ومعارف کو بیان کرکے ہمیں اجتہاد واستنباط کا طریقہ بتلا دیا لہذا آپ کے بعد فطری طور پر ضرورت اس بات کی تھی کہ ایسے معلم ومفسر قرآن موجود ہوں جو دین خدا کے اصول وفروع سے باخبر ہوں کیونکہ قرآن وسنت کی افادیت اسی وقت یقینی ہوسکتی تھی کہ جب رسول کے بعد مفسرین قرآن یعنی حضرت فاطمہ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کو تمام لغزشوں سے محفوظ اور زیور عصمت سے آراستہ مانیں جن کی طہارت وعصمت کی ضمانت قرآن مجید میں خود اللہ نے لے رکھی ہے ورنہ کسی عام انسان کے بس کی بات نہ تھی کہ وہ قرآن کی گہرائیوں سے علوم ومعارف کی موتی نکال سکے، پیغمبر کی صداقت کے لئے یہ آیت

گواہ ہے۔ ﴿ ومایںطق عن الھوی ان ھو الاوحی یو حی ﴾ (۵)

رسول اپنی خواہش سے کوئی بات ہی نہیں کرتے وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں وحی کے مطابق ہوتا ہے۔

نیز اہل بیت کی عصمت وطہارت کی گواہ آیت تطہیر ہے ارشاد ہوتا ہے:

﴿ انما یریداللہ لیذھب عنکم الرجس اھل بیت ویطھرکم تطھیرا ﴾ (۶)

اے اہل بیت بس اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ تم سے ہر قسم کے رجس کو دور رکھے اور ایسا پاک وپاکیزہ رکھے جیسا کہ پاک وپاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

اہل بیت کے بارے میں حضرت امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿ آل محمد ابواب اللہ وسبلہ والدعاۃ الی الجنۃ والقادۃ الیھا ﴾ (۷)

آل محمد جو خدا تک پہنچنے کا وسیلہ، جنت کی طرف دعوت دینے والے اور لوگوں کو جنت تک پہنچانے والے ہیں۔

﴿ کل شیء لم یخرج من اھل ھذاالبیت فھو وبال ﴾ (۸)

جو علم بھی اہل بیت سے نہ لیا گیا ہو وہ وبال خاطر اور ہلاکت کا موجب ہے۔

اس سے بڑھکر اطمینان خاطر اور کیا ہوسکتا ہے کہ امام فرماتے ہیں:

﴿ اذاحد ثتکم بشیء فسألو نی عن کتاب اللہ ﴾ (۹)

جب بھی ہم تمھارے لیے حدیث بیان کریں تو اسکو یہ جاننے کے لیے کہ قرآن کے مطابق ہے کہ نہیں سوال کرلیا کرو۔

روایت میں ہے کہ ایک روز نبی (ص) نے تین چیزوں (بحث وتکرار، مال کے فساد اور کثرت سؤال) سے منع کیا تو کسی نے امامؑ سے یہ پوچھ لیا مولا پیغمبر کی خود یہی حدیث

قرآن میں کہاں ہے؟ آپ نے جواب دیا: اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿ لاخیر فی کثیر من نجواھم الامن امر بصدقة او معروف او اصلاح بین الناس ﴾

اس کا تعلق بحث وتکرار سے ہے۔

﴿ لاتوتوا السفهاء اموالکم التی جعل الله لکم قیاما ﴾

یہ فساد مال کے متعلق ہے۔

﴿ لاتسالوا عن اشیاء ان تبدلکم تسئوکم ﴾

یہ آیت کثرت سؤال سے منع کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿ مالم یوافق من الحدیث القرآن فھوزخرف ﴾ (۱۰)

جو حدیث قرآن سے موافقت نہ رکھتی ہو وہ بے بنیاد اور غیر معتبر ہے۔

ان سارے بیانات سے یہ بات ذہن میں خود آتی ہے کہ کچھ لوگ ہوں جن کا علم محدود نہ ہو بلکہ انکے علم کا سرچشمہ علوم ازلی الٰہی سے ماخوذ ہو۔ ﴿ علمه شدید القوی ﴾

حضرت محمد مصطفیٰ (ص) کو شدید القوی (اللہ) نے تعلیم دی ہے (۱۱) دوسرے لفظوں میں یوں کہہ دیا جائے کہ پیغمبر کا علم، علم لدنی ہے اور حق بھی یہی ہے تا کہ ان کی ہر بات حجت اور ہر فعل نمونہ عمل قرار پائے ہذیان اور لغو سے معصوم ومحفوظ ہوں اور نوع بشری کی ہدایت کر سکیں ورنہ شک وتردید اور خواہشات نفسانی کا شریعت میں بازار گرم ہو جائیگا جس کے باعث امت مسلمہ کا شیرازہ بکھر جائیگا اور پھر اسلام کی جامعیت اور حقانیت خطرہ میں پڑ جائیگی یہی وجہ کہ اللہ نے رسول خدا اور انکے اہل بیت پاک کو دین کا محافظ اور شریعت کا نگہبان قرار دیا اور انھیں بھرپور علم وکردار سے نوازا یہی وجہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے منبر کوفہ سے اعلان کر دیا تھا۔

﴿ سلونی فان عندی علم الاولین والآخرین ﴾ (۱۲)

جو چاہو پوچھ لو کیونکہ میرے پاس اولین اور آخرین کا سارا علم موجود ہے۔

ایک جگہ آپ فرماتے ہیں :

﴿ لولا آیة فی کتاب الله لاخبرتکم بما کان ومایکون وماهو کائن ، الی یوم القیامة وهی آیة یمحوا الله مایشاء ویثبت وعنده ام الکتاب ﴾ (١٣)

اگر قرآن کی ایک آیت نہ ہوتی تو میں تم کو ہر اس چیز کی خبر دیتا جو اب تک واقع ہو چکی ہے اور جو قیامت تک ہونے والی ہے اور وہ آیت یہ ہے: " خدا جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اسی کے پاس تو اصل کتاب کا علم ہے۔

پوری تاریخ بشریت میں کوئی ایسا دانشمند آج تک یہ دعویٰ نہ کر سکا آج بیسویں صدی میں اگر تمام کالج ، یونیورسٹی اور تمام علمی اکیڈمی جمع ہو کر اپنے سارے افکار صرف کر دیں پھر بھی حضرت علی علیہ السلام کے علمی کارناموں کا جواب تو دور کی بات ہے اسی ایک جملہ کا جواب نہیں لا سکتے۔

---

١) سورہ جمعہ ٢) تفسیر فخررازی ج ٢٩ ، ٣٠ ص ٣ ٣) حدیث الثقلین ۔دار التقریب بین المذاهب الاسلامیه القاهره ٤) حدیث الثقلین ۔دار التقریب بین المذاهب الاسلامیه القاهره ٥) سورہ نجم ٣،٤ ٦) سورہ احزاب ٣٣ ٧) وسائل الشیعه ج ١٨ ص ٩ ،تفسیر العیاشی ج ١ ص ٨٦ ٨) تفسیر میزان ج ٣ ص ١٧٦

٩) تفسیرمیزان ج ٣ ص ٧٦، از اصول کافی ١٠) وسائل الشیعه ۔ ج ١٨ ص ٧٨ ح ١٢

١١) تفسیر کبیر ج ٢٧ ، ٢٨ ص ٢٨٤ ١٢) احتجاج طبرسی ج ١ ص ٣٨٤

١٣) سورہ رعد

سنت کی ایک اور وضاحت

خداوند عالم نے رسول اور اہلبیت کو جنہیں عالم انسانیت کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا ہے تا کہ لوگ اپنے دینی اور دینوی امور میں ان کے نقش قدم پر چل کر صحیح راستہ اختیار کر سکیں جو خدا کا معین کردہ ہے وہ افراد تمام عیوب ونقائص سے پاک ہوں تا کہ لوگوں کے لیے نمونہ بن سکیں۔ علماء اصول نے خاص طور پر سنت میں جن چیزوں کا ذکر کیا ہے وہ قول، فعل، اور تقریر معصوم ہے۔

قول معصوم :

قول معصوم کا اطلاق، خطبات، مواعظ اور دیگر بیانات معصومین کو شامل ہے۔ چنانچہ جب تک کسی حکم کے متعلق اقوال معصوم تک دسترسی ممکن ہوتی ہے کوئی مجتہد اس میں اپنا ذاتی نظریہ یا فتویٰ نہیں دیتا، ورنہ اجتہاد درمقابل نص ہوگا اور یہ درست نہیں ہے۔

بعض وقت امام اپنے خاص صحابی کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرماتے ہیں:

جیسا کہ جناب زرارہ کے لئے فرمایا:

﴿ اذا اردت حدیثا فعلیک بھذا الجالس واشار الی زرارہ ﴾

جب تم ہماری حدیث حاصل کرنا چاہو تو تم پر لازم ہے کہ اس شخص کی طرف رجوع کرو۔

اوراس کے بعد زرارہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ یا امامؑ کا جناب عمری کے متعلق فرمانا:﴿ العمری ثقة فماادی الیك فعنی یودی ﴾

عمری موردوثوق ہیں لہذا جو کچھ بھی ان سے تم تک پہونچے اسکا مطلب یہ ہے کہ ہماری جانب سے پہونچا ہے۔

حدیث معاذ بن جبل یا دوسری روایتیں جو راویوں کی طرف رجوع کرنے پر دلالت کرتی ہیں جیسے کتاب احتجاج میں ہے کہ جب کسی طرح کا کوئی نیا واقعہ رونما ہو تو ہمارے راویوں کی طرف مراجعہ کرو۔(۱) حضرت امام علی علیہ السلام نے جب قُثم بن عباس کو مکہ کا گورنر بنا کر روانہ کیا تو آپ نے قثم سے فرمایا :

﴿ افت للمستفتی وعلم الجاهل ﴾

استفتاء کرنے والے کو فتوی دو اور جاہل کو تعلیم دو (۲)

فعل معصوم :

ائمہ معصومین کا سراپا وجود رسول خدا کی طرح امت کے لیے نمونہ عمل، مجسمہ ہدایت ہوتا ہے۔ لہذا اقوال و احادیث رسول کی مانند وہ افعال و اعمال بھی جو کہ حضرات ائمہ معصومین انجام دیتے ہیں حجت ہیں۔

قول و فعل میں فرق کا امکان اس اعتبار سے ہوسکتا ہے کہ: حکم دینے والا جو حکم دے رہا ہے وہ اس کے مطابق ممکن ہے انجام نہ پائے لہذا معصوم کا کسی فعل کو انجام دینا قول کی تائید پر دلالت کرتا ہے۔ مثال کے طور پر رسول اسلام نے نماز کا حکم دیا تو یہ حکم قول اور نماز کا ادا کرنا فعل میں شامل ہے، جیسے:

﴿ صلوا کمارائیتمونی اصلی ﴾

نماز اس طرح بجالاؤ جس طرح مجھے پڑھتے دیکھ رہے ہو۔

ٹھیک اسی طرح اہل بیت کی پیروی کے لیے رسول خدا نے بے حد تاکید فرمائی ہے جس کا عملی ثبوت جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جانا، حالت سجدہ میں امام حسینؑ کا پشت سے نہ اتارنا یہ سب اسی لیے تو تھا کہ امت کو معلوم ہو جائے کہ میرے بعد انہیں کے افعال و کردار ان کے لیے حجت ہیں اور ان کی پیروی کرنا واجب ہے یہی وجہ ہے کہ شیعہ فقہاء رسول کے ساتھ ائمہ معصومین کے بھی اقوال، افعال اور تقریر کو استناد کر کے فتویٰ دیتے ہیں۔

....

۱) دائرۃ المعارف الاسلامیہ حسن الامینی۔دار التعارف للمطبوعات ج ۷

۲) اسد الغابہ ج۴ ص ۱۹۷۔

اجتہاد عقل کی روشنی میں

﴿ اعلی وظائف العقل هی معرفة الله ﴾ (۱)

عقل کا اہم وظیفہ معرفت الٰہی ہے

عقل بشری معترف ہے کہ تمام مخلوق کو امر مولا کا پابند ہونا چاہیے۔ انسانی زندگی کے بہت سے ایسے مراحل ہیں جن میں کبھی کبھی ایسے حادثات پیش آتے ہیں کہ اس میں عقل حیران ہو کر رہ جاتی ہے ایسے موقع پر اشرف المخلوقات انسان کو کسی ایسے مرکز ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے کہ جو اسکی صحیح راہنمائی کر سکے تاکہ روز قیامت کسی فرد بشر کو شکایت کا موقع نہ رہے، یہ نہ کہہ سکیں:

خدایا ہمیں علم نہ تھا، ہم حق و باطل کا فرق نہ سمجھ سکے تھے۔ اسی لیے خاتم الانبیاء پر کامل ترین صحیفہ قرآن کی شکل میں نازل کیا جو قیامت تک کے انسانوں کے لیے دستور العمل اور لائحہ زندگی ہے۔ قرآن معانی و مطالب کا بحر بے کراں ہے دنیا کی ہر خشک و تر چیز اس میں موجود ہے لیکن اسکو سمجھنے کے لیے تدبر و تفکر شرط ہے۔

﴿ افلا یتدبرون القرآن ﴾ تم قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ علاوہ براین روایتیں بھی عقل کی اہمیت پر شاہد ہیں۔

﴿ العقل ماعبد به الرحمن وما اکتسب به الجنان ﴾ (۲)

عقل کے ذریعہ اللہ کی عبادت ہوتی ہے اور اسی عقل کی بدولت جنت حاصل کی جا

سکتی ہے۔ دوسری جگہ پر ارشاد ہوتا ہے :

﴿ ان للہ علی الناس حجتین حجۃ ظاهرة وحجۃ باطنة اما الظاهرة فالانبیاء والرسل واما الباطنة فالعقول ﴾ (٣) اللہ کی لوگوں پہ دو حجتیں ہیں ایک حجت ظاہری اور ایک حجت باطنی، ظاہری حجت انبیاء اور مرسلین ہیں اور باطنی حجت عقل ہے۔

خود قرآن میں تفکر و اجتہاد کی بے حد تاکید کی گئی ہے، بلکہ قرآن اور سنت جو اصل مخزن و منبع احکام ہیں، ان کی تفہیم بھی عقل پر منحصر ہے۔

علماء اصول قرآن و سنت اور اجماع کے علاوہ عقل کو بھی ایک دلیل مانتے ہیں اگرچہ اسکی حجت کے سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں۔

دلیل عقل :

ایسا عقلی حکم جس کے واسطے حکم شرعی کو حاصل کیا جاتا ہے، البتہ اس کی دو قسم ہیں:

١) عقل خود بغیر شرع کی مدد کے ایک امر کا حکم کرتی ہے تو اسے مستقلات عقلیہ کہتے ہیں اور یہ حجت ہے جیسے عدل کا حسن (اچھا) اور ظلم کا قبیح (برا) ہونا۔

٢) عقل شرع کی مدد سے کوئی حکم لگائے تو اسے مستقلات غیر عقلیہ کہتے ہیں جو اسوقت تک حجت نہیں ہے جب تک کہ اس پر نص موجود نہ ہو۔ غرض کہ عقل کو شریعت میں مستحسن قرار دیا گیا ہے اور اسی پر نظام عالم اور انسانی معاشرہ کا دارومدار ہے۔ یہ اور بات ہے کہ فتوی اور حکم جاری کرنے کے لئے عقل سلیم کی شرط ہے۔

﴿ فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه ﴾ (٤)

میرے ان بندوں کو (ہدایت) کی خوشخبری سنادیجئے جو باتیں سنتے ہیں اور اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں۔

﴿ هوسبیل الی معرفة القرآن ودلائل الاخبار ﴾

عقل معرفت قرآن اور معرفت روایات کا ذریعہ ہے

خود پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں: **﴿ لابعث الله نبیا و لا رسولا حتی یستکمل العقل ویکون عقله افضل من جمیع عقول امته ﴾** (۵)

پروردگار نے ہر نبی اور رسول کو کامل عقل کے ساتھ بھیجا اور اسے امت کے سارے صاحبان عقل سے افضل قرار دیا۔

ابن سینا کے بقول :

اسلامی اصول وقواعد ثابت اور غیر قابل تغییر ہیں اور انکی مقدار بھی معین ہے لیکن ان سے حاصل ہونے والے فرعی مسائل نامحدود ہیں اسی ضرورت کے تحت ہر زمانہ میں ایک خاص گروہ ہو جو اصول وکلیات سے واقف ہو اور پیش آنے والے نئے مسائل کو انھیں اصول وکلیات سے استنباط واجتہاد کر سکے۔ اکثر فقہاء کے نزدیک خاص طور سے موجودہ صدی کے مجدد شریعت اور حامی اسلام حضرت امام خمینیؒ فرماتے ہیں اجتہاد واجب کفائی ہے۔ (٦) اس سے پتہ چلتا ہے کہ اجتہاد دینی اور سماجی ضرورتوں میں ایک اہم ضرورت ہے۔

....

۱) موسوعة الفلسفه ۔ عبدالرحمن بدوی ج ۱ ص ۱۴۴

۲) کافی ج ۱ ص ۱۱ ۳) کافی ج ۱ ص ۱٦

۴) سوره زمر ۲۰

۵) کافی ج ۱ ص ۱۲

٦) اجتهاد زمان ومکان ص ۴۰۲ ، ۴۰۳ کمیة مبانی فقهی امام خمینی ۔ موسسه چاپ ونشر عروج

اجتہاد کے ضروری علوم

دوسری صدی ہجری سے فقہا اور محدثین نے دین کے احکام کو استنباط کرنے کے لیے اجتہاد سے وابستہ علوم کی تدوین شروع کی جن میں خاص طور سے تفسیر، حدیث، فقہ ، اصول ، رجال اور منطق وغیرہ ہیں اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ ان علوم کے بنیادی قواعد و اصول کو علماء نے ائمہ علیہم السلام سے حاصل کیا اور پھر فروعات میں اجتہاد کرنا شروع کیا لہذا مناسب ہوگا کہ ان علوم کو اجمالی طور سے بیان کر دیا جائے۔

ا۔ علم تفسیر :

کلمہ تفسیر فسر سے اخذ ہوا ہے جس کے معنی انکشاف و پردہ برداری کے ہیں، امام راغب کے بقول : ﴿ جعل الفسر لاظهار المعنى المعقول ﴾

فسر (تفسیر) کو معقول معنی کے اظہار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں تفسیر، مشکل الفاظ سے ابہام کو دور کرنا، یعنی معنی مقصود کے افادہ میں پیش آنے والی مشکل کا حل کرنا، تفسیر (کشف قناع) صرف مشکل الفاظ سے پردہ ہٹانے کو نہیں کہتے بلکہ کلام کی دلالت میں جو خفاء ہوتی ہے اسے بھی دور کرنے کو تفسیر کہا جاتا ہے۔ لیکن اس کے لیے بڑی جدو جہد اور بالغ نظری کی ضرورت ہے۔ تفسیر قرآن کی ضرورت اس لیے پڑی تاکہ جو اللہ تعالی نے قرآن میں ہدایت و سعادتمند زندگی گذارنے کے اصول بتائے ہیں انھیں کھلے لفظوں میں اس طرح پیش کیا جائے کہ عام لوگ بھی قرآن کے نور سے بہرہ مند ہو سکیں، ماسلف علماء نے تفسیر کو تاویل سے مترادف بتایا ہے لیکن متاخرین

میں طبری نے جامع البیان میں تأویل کو تفسیر سے جدا بتایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تفسیر میں مشکل الفاظ سے رفع ابہام کے ساتھ ساتھ شان نزول وغیرہ کا بھی بیان ہوتا ہے۔ جب کہ متشابہ آیتوں کے معنی بیان کرنا یا کسی لفظ کو غیر ظاہری معنا پر حمل کرنا تأویل کہلاتا ہے۔

البتہ تاویل کا بھی ایک اصول ہے یہ نہیں کہ اپنی من پسند کا مطلب نکال لیا جائے اور ظاہری معنی کو نظر انداز کر دیا جائے جیسا کہ منحرف مزاج اور گمراہ وکم فہم افراد کیا کرتے ہیں جو اصل معنی اور اساس تاویل سے کوسوں دور ہوتا ہے، درحقیقت کسی شیء کا اسکی اصل اور حقیقت کی طرف پلٹانے کو تاویل کہا جاتا ہے۔

شہید ثانی فرماتے ہیں:

حدیث خبر کے مترادف ہے اور یہ حدیث خواہ پیغمبر کا قول ہو خواہ امام کا یا کسی تابعی، تبع تابعی، عالم وصالح کا ہو۔

شیخ بہائی فرماتے ہیں:

حدیث ایسا کلام ہے جو معصوم کے قول و فعل و تقریر کی حکایت کرے البتہ شیعوں کے نزدیک غیر معصوم کے کلام کو حدیث کہنا مجاز ہے لیکن اہل سنت، صحابی کے ساتھ تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کو حجت مانتے ہیں۔

۱۔علم حدیث :

کی اہمیت کے پیش نظر اکثر فقہاء کی طرح ابن حبان کا کہنا ہے :

﴿ معرفة السنن من اعظم ارکان الدین، وان حفظها یجب علی المسلمین ﴾ (۲) سنت نبی کی معرفت دین اسلام کا عظیم ترین رکن ہے اور اسکی حفاظت مسلمانوں پر واجب ہے۔

۲۔علم فقہ :

فقہ کا لغوی معنی فہم یعنی سمجھ کے ہیں اور اسی معنی میں قرآن کی آیت ہے۔

﴿ لکن لا تفقھون تسبیحھم ﴾

ہر شیٔ خدا کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم اس کی گہرائی کو نہیں سمجھ پاتے (۴)

اصطلاح میں فقہ:

﴿ ھوالعلم بالاحکام الشرعیہ عن ادلتھا التفصیلیۃ ﴾

فقہ: یعنی احکام شرعی کو انکی تفصیلی دلیلوں سے جاننا (۵)

۳۔ اصول فقہ :

فقہی مسائل کو انکی ادلہ کی روشنی میں پرکھنے اور فقہ کی حفاظت کے لیے فقہاء نے ضرورت محسوس کی کہ اس کے بنیادی ضابطوں کو مدون کر دیا جائے۔ جو ضابطے وقواعد احکام شرعی کے استنباط کی راہ میں مددگار ثابت ہوتے ہیں انہیں قواعد وضوابط کو آج کی اصطلاح میں علم اصول الفقہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس سلسلہ میں ہمارے بڑے بڑے علماء و مجتہدین نے بڑی سختیاں برداشت کی ہیں۔

پانچویں صدی کی ابتداء ہی سے اصول پر مستقل کتابیں لکھی گئیں جن میں شیخ مفید کے دوہونہار شاگرد سید مرتضی و شیخ طوسی نے بترتیب الذریعہ فی اصول الشریعہ اور عدۃ الاصول تصنیف فرمائی شیخ طوسی کی کتاب المبسوط شیعہ فقہ کی پہلی استدلالی واجتہادی کتاب ہے اور سب سے پہلے فقیہ جنھوں نے دینی مسائل میں حدیث کو بنیاد بنا کر فتوی دیا، علی بن حسین بابویہ قمی ہیں اور پھر ان کے بعد اسی روش کو اپناتے ہوئے شیخ طوسی نے کتاب مبسوط تالیف کی، شیخ طوسی کے بعد اس نہج کو فقہاء نے اختیار کیا اور اس کے بعد علم اصول وفقہ میں بہت ساری کتابیں لکھی گئی جن میں مشہور فقہی کتاب، شرائع الاسلام محقق اول ابوالقاسم نجم الدین جعفر بن حسن متوفی ۶۷۶ھ اور کتاب قواعد الاحکام علامہ حلی متوفی ۷۲۶ھ اور کتاب اللمعہ

الدمشقیہ شہید اول محمد بن مکی متوفی ۸۷۶ھ قابل ذکر ہیں چونکہ فقہی مسائل کے استنباط میں سنت بنیادی مقام رکھتی ہے لہذا احادیث کی سنداور دیگر جزئیات معلوم کرنے کے لیے علم درایۃ کی ضرورت پیش آئی۔

۴۔علم درایۃ :

لغت میں لفظ درایت علم اور اطلاع کے مترادف ہے لیکن اصطلاح میں درایت ایسے علم کو کہتے ہیں جسمیں حدیث کے متن ،سند وغیرہ کے سلسلے میں بحث ہوتی ہے تا کہ حدیث صحیح کو غیر صحیح سے جدا کیا جا سکے۔(۶)

۵۔علم رجال :

وہ علم ہے جس میں راویان حدیث کے متعلق گفتگو ہوتی ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ حدیث کا راوی کس حد تک قابل اعتماد ہے اس علم میں راوی کی ذات وصفات کے بارے میں بھی اس حیثیت سے بحث کی جاتی ہے کہ اسکے بارے میں کوئی مدح وذم پائی جاتی ہے یا نہیں مثال کے طور پر محمد بن مسلم کس گروہ سے ہیں؟ کہاں سے تعلق ہے عادل ہیں یا غیر عادل وغیرہ کے بارے میں بحث اس لیے ہوتی ہے تا کہ ان کے ذریعہ ہم تک پہنچنے والی حدیث کا وزن معلوم ہو جائے۔

۶۔علم کلام :

اس علم میں خداوند متعال کے صفات وافعال کے بارے میں بحث ہوتی ہے۔یہ علم بھی دوسرے علوم کی طرح اسلامی عقائد کی تفسیر وبیان اور اصول معارف دین کی حقانیت کے اثبات کی خاطر وجود میں آیا۔

۷۔علم اخلاق :

وہ علم ہے جس کی ہر فرد اور ہر معاشرہ کو ضرورت ہے تا کہ مراحل سعادت سے گزر

کر درجہ کمال پر پہونچکر اپنی انسانیت کو عبودیت کے آئینہ میں دیکھ سکے۔ کیونکہ انسان میں مثبت منفی دونوں عنصر ہوتے ہیں وہ رفعت وبلندی کی طرف پرواز بھی کرسکتا ہے اور قعر مذلت میں بھی گر سکتا ہے لہذا اس علم کی بدولت معاشرہ کا ہر فرد اپنے نفس کو مہار کر کے راہ کمال کو پاسکتا ہے۔

اخلاق کا بہترین نمونہ خود رسول خدا اور ان کے اہل بیت پاک ہیں جو صفات الٰہی کے مظہر اور اخلاق وکردار کے درجہ کمال پر پہنچے ہوئے ہیں انھیں کی ذات ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

۸۔علم منطق :

اس علم کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ :﴿ **آلة قانونية تعصم مراعاتها الذهن عن الخطافی الفکر** ﴾ (۷)یعنی منطق قاعدہ وقانون کا ایک ایسا آلہ ہے جسکے استعمال سے ذہن فکری خطاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔

....

۱) تفسیر والمفسرون ۔ج۱ ص ۱۴ ۔ الاستاذ المحقق الشیخ محمد هادی معرفت

۲) کتاب السیرة النبویه واخبار الخلفاء دار الفکر بیروت

۳) تذکرة الفقهاء ج ۱۔ موسسه آل البیت

۴) سوره اسرا ٤٤

۵) معالم الاصول

۶) درایة ۔شیخ جعفر سبحانی ۔قم

۷) اسلامی علوم تعارف ۔آیت الله مطهری ص۳۲

باب دوم

مرجعیت

﴿ واما من كان من الفقهاء صائنا لنفسه ،حافظا لدينة ، مخالفا لهواه ،مطيعا لامرمولاه فللعوام ان يقلد وه وذالك لايكون الابعض فقهاء الشيعه لاجميعهم ﴾ (۱)

عوام کو چاہیے فقہاء میں سے اس فقیہ کی تقلید کریں ۔ جو اپنے نفس پر کنٹرول رکھتا ہو، اور اپنے دین کی حفاظت کرنے والا ہو، ہوا وہوس کا مخالف ہو، حکم خدا کا فرمانبردار ہو ۔ اور شیعہ فقہاء میں بعض ہی فقط ان صفات کے حامل ہوتے ہیں۔

۱) وسائل الشیعه ۱۸ ص ۹۴-۹۵ ح ۳۳۳۸۵

احتجاج ۲ص ۲۶۳ مستند الشیعه محقق نراقی ج ۲ص ۵۱۹

هداية المسترشدين شیخ محمد تقی ص ۴۷۲

بحار الانوار ج ۲ ص ۸۸ مستمسك العروة الوثقیٰ سید حکیم ج ۱ ص ۴۱

فرائد الاصول شیخ انصاری ج ۱ ص ۱۴۱

کنز الدقائق مرزا محمد مشهدی ج ۱ ص ۲۸۱

مرجعیت کے معنی وشرائط

مجتہد جو اجتہاد کی منزلوں کو بحسن خوبی طے کرلیتا ہے تو وہ دین کا ترجمان بن جاتا ہے، اس پر معاشرہ ادارہ کرنے نیز مقاصد دینی کے بیان اور نفاذ کی ذمہ داری ہوتی ہے، کیونکہ مجتہد اگر لوگوں کے حیاتی مسائل سے غافل ہوجائے تو گویا مقصد کی ہی نفی ہوجاتی ہے، اسی لئے وہ معاصر کے جملہ مسائل خاص طور سے متغیر اور حوادث واقعہ کو معین کرتا ہے۔

ایسے مسائل جن میں روز بروز دگرگونی ہوتی رہتی ہے، جس میں لوگوں کے تنزلی اور سربلندی دونوں جانب جانے کا احتمال ہوتا ہے تو اس میں مجتہد اپنے علم وآگہی سے ایسے امر کی راہنمائی کرتا ہے جس میں دین ودنیا کے لئے خیر وبھلائی ہوتی ہے۔

اس مقام پر مجتہد جامع الشرائط دین ومعاشرہ کا عالم، اہل بیت کے قائم کردہ معیار ومنہج پر لوگوں کی ہدایت کرکے بحران سے نجات دلاسکتا ہے۔

لفظ مرجعیت رجع یرجع (رجوع) سے ماخوذ ہے، جسکے معنی بازگشت کے ہیں مرجع یعنی جسکی طرف رجوع کیا جائے یا محل رجوع (واپسی کا مقام)

فقہی اصطلاح میں مرجع ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو علم فقہ میں درجہ اجتہاد پر پہونچا ہوا ہو اور اپنے زمانہ کے تمام مجتہدین سے علم وتقوی زیادہ رکھتا ہو۔

یہ فطری بات ہے اور ہر سماج میں ہوتا رہا ہے کہ لوگ اپنے امور میں خواہ سیاسی ہوں یا اجتماعی ایک مرکز سے وابستہ ہوا کرتے ہیں۔ نیز کسی معاشرہ کی اصلاح یا اجتماعی

زندگی، خاندان، قبیلہ وغیرہ سے لیکر بڑی بڑی تنظیموں اور حکومتی پیانے کے ادارات کو منظّم رکھنے کے لیے کسی نہ کسی سرپرست، مرجع یا سربراہ کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی طرح دین اسلام کے سرپرست اعلیٰ یا مرجع کل ہمارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور انکے بعد ائمہ علیہم السلام لوگوں کے مرجع ہیں ہمارے اماموں نے بھی بہت سے علاقوں میں وکلاء بھیجے اور اب زمانہ غیبت میں فقہاء ومجتہدین جامع الشرائط ہمارے مرجع ہیں (۱)

مرجع کے لئے ضروری ہے کہ وہ مجتہد، فقیہ، عادل اور تمام علمی اخلاقی شرائط کا حامل ہو (جو اجتہاد کے شرائط میں بیان ہو چکا) نیز حوادث روزگار و دور حاضر کے نئے مسائل اور مشکلات کا حل رکھتا ہو، اسلام دشمن عناصر کا مقابلہ کرسکتا ہو، نئی دریافت وٹکنالوجی سے باخبر ہو، مشرق سے لیکر مغرب تک امت اسلامیہ کا غیر اسلامی معاشرہ سے اختلاط، تفرقہ تشتت خطرناک ماحول میں سازگار حالات پیدا کرنے کے لئے رہنمائی کرنا مسائل دینی کے ساتھ لوگوں کی زندگی سے متعلق تہذیب، تمدن اور اقدار و شرف انسانی کی ہدایت بھی مرجع کی اہم ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

مختصر یہ کہ مرجع وقت روح اسلام سے مکمل مانوس ہو، معارف قرآن، سنت رسولؐ اور ائمہؑ کے کردار سے اچھی طرح باخبر اور اُس پر عمل کرتا ہو۔

---

۱) دائرۃ المعارف الاسلامیہ الشیعہ ج ا ص ۱۲۱،

عبدالحلیم الجندی۔ الامام جعفر الصادق (قاھرہ)

تاریخ مرجعیت

طلوع اسلام سے آج تک بہت سے برجستہ فقہاء و مراجع گذرے ہیں جنھوں نے کلمۃ اللہ کی بلندی اور اسلام کی سربلندی کی خاطر اپنے آپ کو وقف کردیا جن کا تذکرہ رجال کی کتابوں میں مذکور ہے۔ جیسے آیت اللہ سید حسن صدر کی کتاب تاسیس الشیعہ لعلوم الاسلام، اعیان الشیعہ امین، شیخ طوسی کی **الفہرست**، رجال نجاشی وغیرہ۔

سید حسن صدر لکھتے ہیں کہ :علی بن ابی رافع پہلے فقیہ ہیں جن کے آثار فقہ کی کتابوں میں وضو، غسل اور دیگر ابواب میں موجود ہیں۔ یہ اصحاب رسول کے تابعین اور امیر المومنینؑ کے انصار و محبین میں سے تھے۔ ان کے بعد سعید مسیّب متوفی ۹۴، ان کے بعد قاسم بن محمد بن ابی بکر متوفی ۱۰۴ ہیں آپ امام علی ابن الحسین (علیہ السلام) کے معتمدین میں سے تھے۔ حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) سے روایت ہے کہ سعید بن مسیّب، قاسم بن مسیّب قاسم بن محمد ابی بکر اور ابو خالد کابلی امام علی (علیہ السلام) کے ثقات میں سے تھے۔

اس کے علاوہ دیگر ائمہ معصومین کے بہت سے شاگرد اپنے وقت کے فقیہ و مرجع تھے۔ جن میں زرارہ، برید، ابو نصیر اسدی، فضیل بن یسار، محمد بن مسلم طائی وغیرہ بالخصوص زرارہ جیسے بہت سے بڑے پایہ کے فقیہ تھے (۱) ان شاگردوں میں بہت سے ایسے بھی تھے جنھیں خود ائمہ معصومین نے افتاء کی اجازت فرمائی ہے، **اجلس فی المسجد افت الناس**۔ جیسے ابان بن تغلب متوفی ۱۴۱، ایک بڑے مرتبہ کے فقیہ تھے جنھوں نے تین

اماموں علی بن الحسین السجاد، محمد بن علی الباقر، اور جعفر الصادق (علیہم السلام) کا زمانہ دیکھا اور آپ پر اماموں کی خاص نظر تھی حکم امام سے آپ لوگوں کے لیے مرجع بنے تا کہ لوگوں کے مسائل میں فتویٰ دیں جبکہ امام خود مدینہ میں تھے۔

امام نے فرمایا اے ابان :

﴿ **اجلس فی المسجد وافت الناس فانی احب ان یری فی شیعتی مثلك** ﴾ اسی طرح جناب یونس بن عبدالرحمٰن، علی بن حدید، ذکریا بن آدم، محمد بن مسلم ثقفی، زرارہ بن اعین ابوبصیر، لیث مرادی، برید بن معاویہ عجلی وغیرہ کو حکم دیا گیا تا کہ لوگوں کے مرجع بنیں، امام جعفر صادقؑ کے چالیس ہزار شاگردوں میں چارسوں مقام مرجعیت پر پہونچ چکے تھے، معصومین نے ایسے مراجع کو امین کا خطاب دیا ہے۔

﴿ **امناء علی حلال الله وحرامه** ﴾

یہ لوگ حلال وحرام خدا کے بیان کرنے میں امین ہیں

دوسری جگہ فرمایا :

﴿ **لولا هولاء لا ندرس الدین** ﴾

اگر ہمارے فقہا نہ ہوتے تو دین مٹ جاتا۔

ایک جگہ امام فرماتے ہیں : ﴿ **لولازراره و نظراؤه لظننت الی احادیث ابی ستذهب** ﴾ اگر زرارہ اوران کے جیسے افراد نہ ہوتے تو ہمارے بزرگوں کی حدیث صفحہ ہستی سے مٹ جاتی۔

زرارہ کے علاوہ جمیل بن دراج عبداللہ بن مسکان، عبداللہ بن بکیر، حماد بن عیسی، حماد بن عثمان اور ابان بن عثمان جیسے دوسرے درجے کے فقہا ومراجع تھے۔ ان کے بعد اصحاب امام جعفر صادق (ع) اور امام موسی کاظم (ع) کے شاگرد محمد بن نعمان اور علی بن حمزہ

کا ذکر ملتا ہے۔

ایک سو تیس سے زیادہ فقہ اسلامی کے علماء کا ذکر علامہ امینی نے شھداء الفضیلہ بیان کیا ہے۔ جن میں شمس الدین مکی شھید اول، زین الدین شہید ثانی قاضی نور اللہ شوستری شہید ثالث اور شہید رابع میرزا محمد کامل جیسے مراجع قابل ذکر ہیں۔ جنھوں نے ستمگروں سے جھاد کرتے ہوئے آسمان فقہ پہ اجتھاد کی قندیلیں روشن کیں اور ان کے صحیفہ نور سے اہل علم ہمیشہ کسب فیض کرتے رہیں گے ان سب کی تالیفات اور مسودے اسلامی میراث کا گران بہا خزانہ ہے جو مکتب اہل بیت کے شاگردوں سے ہم تک منتقل ہوا ہے جن میں خاص طور سے سلمان فارسی، ابوذر، عمار، عبداللہ بن عباس، مقداد بن الاسود الکندی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اور پھر تابعین میں احنف بن قیس، سالم بن ابی الجعدی، علی بن ابی الجعد، ابوالاسود الدولی جو کہ علم نحو کے موجد ثانی، سلیمان بن صرد الخزاعی اپنے زمانے کے بزرگ اور مرد شجاع تھے جنھوں نے بغیر واسطہ کے رسول سے حدیث نقل کی، صعصہ بن صوحان العبدی جو عرب کے مشہور خطباء میں تھے جنکی بلاغت نمونہ بنی ہوئی تھی آپ امام علی علیہ السلام کے شاگرد تھے ، جنگ جمل میں شھید ہوئے نیز عمر بن وائلہ اور ابوالطفیل بھی امام کے صحابی تھے۔

اس طرح مرجعیت کا یہ سلسلہ ہمارے دور تک اپنی تابناکیوں کے ساتھ باقی رہا، اور چودہویں صدی کے آخر میں آسمان فقہ کے افق پر کئی انمول ستارے درخشان ہوئے کہ رہتی دنیا تک ان کا نام نامی بڑی عظمتوں کے ساتھ لیا جاتا رہے گا۔

....

۱) فقہاء نامدار شیعہ عقیقی بخشایشی، دور الشیعه فی بناء الحضار الاسلامیه ص ۱۲۱ شیخ محمد جعفر سبحانی۔

مراجع اوران کی مجاہدت

دینی مرجع صرف دین اسلام کے اصول وفروع کا مرجع نہیں ہوتا بلکہ دور حاضر کے ترقی یافتہ حالات میں اسلامی معاشرہ کی رہنمائی کی عظیم ذمہ داری بھی دینی مرجع کے ذمہ ہوتی ہے۔آج جب کہ ٹکنالوجی کے دور میں ذرائع ابلاغ کی برق رفتاری سے لوگوں کے درمیان فاصلہ بہت کم رہ گیا ہےاور متمدن وثقافت مآب قومیں اپنے تمدن اور تہذیب کو دوسری کمزور قوموں پر تھوپ رہی ہیں قدرت نمائی،اقتصادی ناکہ بندی،معاشی بائیکاٹ اور اسلحہ کی دوڑ میں طاقت ور قومیں کمزور اور ناتواں قوموں پر اپنے مفاد کی خاطر ہر قسم کے سیاسی فارمولے آزمارہے ہیں اور اس قسم کے ہزارہا مسائل کا اگر کوئی دینی حل نہ ہوتو اسلام تباہ ،قرآنی احکام مسخ ہوکر رہ جائیں گے۔ان حالات میں شیعہ مراجع کا یہ شیوہ رہا ہے کہ اسلامی مقدسات کے دفاع کی خاطر میدان میں اتر پڑے اور جنگ وجہاد میں بھی دادشجاعت دکھائی ہے مثال کے طور پر آیت اللہ سید مجاہدم ۱۲۴۲ھ جو اپنے وقت کے مرجع تھے،قفقاز کی جنگ میں روسیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے خود میدان میں آگئے۔(۱)

اسی طرح آیت اللہ مرحوم میرزای شیرازی نے تاریخی فتویٰ جاری فرما کر اسلامی ملکوں کی معیشت کو تباہ ہونے سے بچالیا۔آپ نے تنباکو کے لیے فرمایا:

(بسم الله الرحمن الرحيم) اليوم استعمال تنباكو وتوتون، باى نحو كان در حكم محاربه باامام زمان صلوات الله وسلامه عليه

است (۲) اس فتوی سے مشرق و مغرب کے لوگ حیرت زدہ رہ گئے پھر تو اس مذہبی و معنوی قیادت کی غیر معمولی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ ایسے ہی ۱۹۰۰ء کے ابتداء میں انگریزوں نے جب دیکھا کہ اسلامی بلاک میں حکمرانوں کے علاوہ ایک دوسری بڑی معنوی طاقت شیعہ مراجع کی شکل میں موجود ہے جو کہ کم اہمیت نہیں رکھتی اسی لئے شیعہ علماء مراجع جو عوام میں بہت زیادہ اثر ورسوخ رکھتے تھے ان سے رابطہ کی کوشش کی۔ اس کے لیے انہوں نے ہندوستان کے اوقاف سے ملنے والی کروڑوں روپیہ کی رقم علماء وطلبہ میں تقسیم کرنے کے لیے بغداد روانہ کی مگر انگریزوں کی سیاست وافکار سے واقف علماء نے قبول کرنے سے انکار کیا۔ جبکہ علماء طلاب ہمیشہ تنگی فقر وفاقہ میں اوقات گزارتے تھے۔ تمام حوزات علمیہ ایران وعراق کا یہی حال تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مراجع تقلید کبھی کسی حکومت سے مشاہرہ (تنخواہ) وغیرہ نہیں لیتے تھے، جبکہ دوسرے فرقہ کے علماء طلاب حکومتوں سے تنخواہ یا شہریہ لیتے تھے۔ مثلاً:

جامعۃ الازہر مصر کے بے بضاعت علماء اساتید طلاب یونیورسٹی کی طرح ماہانہ تنخواہ لیتے تھے۔ شیعہ علماء کی یہ سیرت ظاہراً اس لیے تھی کہ کسی حکومت یا قدرت کے زیر اثر نہ رہیں۔ لہذا قلیل رقوم شرعی یا خیر خواہ مومنین کے تعاون پر گزارا کر لیتے تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ہندوستان کی کچھ ملکیت (پراپرٹی) سے حاصل ہونے والی رقم نجف اشرف بھیجی گئی لیکن اس وقت کے مرجع شیخ مرتضی انصاری نے اسے لینے سے انکار کر دیا حتی کہ دو سال گزر گئے انگریز کونسلر سے ملاقات بھی نہ کی (۳) اس کے علاوہ دنیا نے دیکھا کہ ضمیر فروش استعمار کے زرخرید غلام شیطان صفت سلمان رشدی نے قرآن اور وارثین قرآن کا مذاق اڑایا جو کہ در اصل ناتواں وخونخوار سامراج کی انتھک کوششوں کا لاحاصل نتیجہ تھا، غرض یہ تھی کہ قرآن جیسا پایدار اصول اور دنیا وآخرت کا عظیم سرمایہ

مسلمانوں کے درمیان اپنی صحیح شکل میں باقی نہ رہنے پائے بلکہ دوسری آسمانی کتابوں کی طرح مسخ کردیا جائے اوراس کے بدلہ میں سامراج نواز نام نہاد مسلمانوں کو کسی خطہ ارض کی ملکیت کا قبالہ دے دیا جائے اوران کی حکومت یا بقاء مملکت کی ضمانت دے کرانہیں کچھ شروط پر راضی کرلیا جائے اسطرح قرآن مجید کی عظمت ومنزلت اوروارثین قرآن کی عزت ومرتبت سلب کرلی جائے۔

لیکن مرجع وقت حضرت امام خمینی نے اپنی شجاعت ومجاہدت اور مرجعیت کو بروے کارلاتے ہوئے رسول، ازواج رسول کی عزت اپنا تاریخی فتویٰ دے کر بچالی۔اسطرح سامراج کے بھیانک کرتوتوں کا انکشاف کرکے ایک فتویٰ کے ذریعہ مرتد سلمان رشدی کو جیتے جی خوف وہراس کے عالم میں اسی کے مکان میں نظر بند کردیا۔اس کو باہر نکلنے کی جرأت نہیں کہ کب اسلامی مجاہدوں کے ہاتھ عذاب آپڑے۔یہ مرجعیت امام خمینی ہی کا کارنامہ تھا کہ سپر طاقت کے سربراہ کواسلامی تعلیمات پر مشتمل دعوت نامہ بھیجا جسکے اثر سے کمیونزم کی بیخ کنی ہوئی۔لوگوں کی بیداری کا سبب بنااور دیکھتے دیکھتے ہی نظام الٰہی کا مطالبہ بڑھا غرض اس کے فوراًبعد روس کی جمہوریت کا شیرازہ بکھر گیا۔

اسی طرح آیت اللہ محمد تقی الحائری شیرازی کا فتویٰ :

﴿ ان المسلم لایجوزله ان یختار غیر المسلم حاکماً ﴾

مسلمانوں کیلئے جایز نہیں ہے کہ غیر مسلم اس پر حکومت کرے (۴)

یہ ایک حقیت ہے اور تاریخ فقہ واجتہاد نے مقام شہادت میں بے دریغ وضاحت وصداقت کے ساتھ اوراق تاریخ میں ثبت کردیا کہ علماء مراجع تقلید نے علامہ کلینی سے لیکر امام خمینی تک انھیں صاحبان تقویٰ وامناء رسول اللہ اور نائبین ائمہ ہدیٰ نے اپنے علم واجتہاد، زبان وقلم سے ایسے کارنامے انجام دیے کہ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی ان کے فتوؤں کی

قوت پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا اور آج تک ان مراجع کرام کا ایک ایک فتویٰ دنیاوی پروپیگنڈوں کے مقابلہ میں قدرت مند نظر آرہا ہے۔ بے شک ان فتوؤں میں ایمانی طاقت کارفرما ہوتی ہے جو دنیا کے دیگر مکاتب فکر میں نہیں پائی جاتی۔ جبکہ مشرق ومغرب کی سامراجی طاقتیں ان فقہاء کی کسر شان میں بے پناہ ثروت صرف کرتی ہیں۔ لیکن خدای تعالیٰ کی تائید ونصرت ان مراجع کرام کے ساتھ ہے کہ عالمی سیاست میں ایک ایک حرف مذہب حقہ کی ترویج اور اثبات حق میں بنیادی آہنگ بنتا گیا اور عالم انسانیت غیر متعصب وسنجیدہ افراد کے لیے ہدایت وحق شناسی کا ذریعہ بن گیا۔

لہٰذا یہ بھی ایک نوع جہاد ہے، کیونکہ جہاد سے اسلامی سرحدوں کی حفاظت ہوتی ہے اور اجتہاد سے اسلامی افکار وعقائد کی حفاظت ہوتی ہے۔

....

۱) زندگی شیخ انصاری (رہ) ص۵۸ ضیاء الدین .قم

۲) مرزای شیرازی .شیخ آقا بزرگ تهرانی ص ۲۵۷ انتشارات چاپخانه (وزارت ارشاد اسلامی)

۳) علی ابو الحسنی تراز سیاست ص ۲۵۰ قم. (کنگره شیخ انصاری) ۱۳۷۳ش

۴) فقهای نامدار شیعه ص ۳۸۲ طبع : کتابخانه حضرت آیت الله مرعشی نجفی قم۔

عترت رسول مرجع خلائق

رسول خدا(ص) کی وفات کے بعد دشمنان دین نے نصوص کا خاتمہ گمان کرلیا چونکہ اس وقت دائرہ محدود تھا، جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھا نئے نئے حالات پیش آتے گئے نت نئی تہذیبیں اور نرالے تمدن سے اسلامی معاشرہ دچار ہوا جس کے مقابلہ کے لئے اہل سنت علماء نے قیاس واستحسان وغیرہ جیسے غیر معقول قواعد واصول کا سہارا لیا۔ شیعہ مسلک کا اعتقاد ہے کہ حضور کی وفات سے نص کا خاتمہ نہیں ہوا بلکہ رسول کے بعد حضرات اہل بیت بمنزلہ نص تھے۔ اس مقام پر امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا۔

﴿ اصلحك الله ،اتى رسول الله (ص) الناس بمايكتفون فى عهده ؟ قال: نعم ومايحتاجون اليه الى يوم القيامة فضاع من ذالك شيء؟ فقال: لاهوعنداهله ﴾ (۱)

اے فرزند رسول خدا، کیا رسول نے اپنی زندگی میں جو کچھ لازم تھا لوگوں کو پہونچایا؟ فرمایاہاں بلکہ ہر وہ امر جو قیامت تک ضروری تھا، پہونچادیا راوی نے عرض کیا مولا کچھ اس میں سے ضائع بھی ہو گئے؟ فرمایا! نہیں بلکہ وہ سب اس کے اہل کے پاس محفوظ ہے۔

یہ بات بھی روایت سے ثابت ہے کہ رسول نے اپنے مابعد وراثت میں اپنا علم چھوڑا، ابن تیمیہ لکھتا ہے :

﴿ ان العلم هو علم محمد (ص)، فی میراث محمد (ص) ﴾ محمد مصطفیٰ نے میراث میں اپنا علم چھوڑا ہے۔

ہمارے معصوم امام فرماتے ہیں :

﴿ اما والله عندنا مالانحتاج الی احد ،والناس یحتاجون الینا ﴾

ہم اہل بیت دنیا میں سے کسی کے محتاج نہیں جبکہ سارے لوگ ہمارے محتاج ہیں

دیگر روایت میں ہے کہ :

﴿ یایونس ان اردت العلم الصحیح فعند نا اهل البیت، فانا ورثنا شرع الحکمة وفصل الخطاب ﴾

اے یونس اگر صحیح علم چاہتے ہو تو وہ ہم اہل بیت کے پاس ہے، کیونکہ ہمیں کو حکمت کی راہیں اور فصل الخطاب (حق کو باطل سے تمیز دینا) ورثہ میں ملا ہے۔

لہٰذا عترت رسول، مبین و مفسر قرآن ہے۔ وہی محافظ قرآن اور دامن پیغمبر سے متمسک ہے۔ ان کا مذہب اجتہادی نہیں، ان کا نہج وہی ہے جسکے رسول اسلام پابند تھے وہی علم رسول کے وارث تھے۔ حضرت امیر المومنینؑ سے نقل ہوا ہے :

﴿ واعلموا انه لیس علی احد بعد القرآن ولا لاحد قبل القرآن من غنی فاستشفوه من ادوائکم واستعینوا به علی لاوائکم ﴾

جان لو کہ قرآن کے بعد کوئی محتاج نہیں اور نہ تو قرآن سے پہلے کوئی مستغنی ہو سکتا ہے۔ لہذا قرآن سے اپنے درد کا علاج اور اپنی مشکلوں کا حل تلاش کرو۔ (۲)

حضرت علیؑ سے روایت ہے :

﴿ فی القرآن نبأ ماقبلکم وخبر مابعد کم وحکم ماببینکم ﴾ (۳)

قرآن میں تم سے پہلے کی خبریں موجود ہیں اور تمہارے بعد کے واقع ہونے

والے حادثات کا بیان اور سارے لازم وضروری احکام بدرجہ اتم موجود ہیں
ائمہ معصومین امت مسلمہ کے لیے منارہ ہدایت ہیں۔ ابن شاذان جو پایہ کے
فقہاء میں جانے جاتے ہیں کسی کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

﴿ ماکنت لاعلم مراد اللہ عزوجل بمافرض ولا مراد رسول اللہ بماشرع وسن ولاعلل ذاک من ذات نفسی بل سمعتها من مولای ابی الحسن علی بن موسی الرضامرۃ بعدمرۃ والشیء بعد الشی فجمعتها ﴾ (۴)

میں ہرگز خود سے کلام خدا اور حدیث رسول کی مراد نہیں حاصل کرسکتا تھا اور نہ ہی ان کی علتوں تک میری رسائی ہو پاتی تھی جب تک کہ امام رضا (علیہ السلام) سے بار بار مختلف اوقات میں سن کر اسے جمع نہیں کرلیا۔

احکام کا فلسفہ اور اس کی علت خود امام بیان فرماتے ہیں کہ :

﴿ ان اللہ عزوجل لم یحرم الخمر لاسمها ، ولکن حرمها لعاقبتها فما فِعل الخمر خمرہ ﴾

شراب کی حرمت نام کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے بُرے اثر اور بُرے انجام کی وجہ سے ہے۔

جس طرح شطرنج میں اگر جوا اور موسیقی میں لہو ولعب ہے تو وہ حرام ہے۔

البتہ بعض موارد میں اسکی نوعیت میں بھی فرق ہونا چاہیے یعنی شطرنج ہار وجیت کا وسیلہ نہ ہو، موسیقی وغنا لہو ولعب کا ذریعہ نہ ہو بلکہ قومی احساسات اور بیداری وغیرہ کی غرض ہو تو کیا اس کے حکم میں کوئی تغیر نہیں ہوگا؟ یقیناً ہوگا کیونکہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔

حضرت امام خمینیؒ نے معادن کو شخصی ملکیت ہونے سے منع قرار دیا ہے۔

شطرنج اگر ورزش کیلئے ہو تو مباح قرار دیا ہے۔

موسیقی کو شرائط کے ساتھ جایز جانا ہے۔

پولیس کا نظم و کنٹرول اور امنیت کی مخالفت پر پنالٹی لگانا درست ہے۔ اس طرح کی تبدیلی بدعت نہیں بلکہ یہ اجتہاد کا طریقہ کار ہے جو کہ معصومین علیہم السلام کی سنت میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ (۴)

کیا امام باقر علیہ السلام نے نہیں فرمایا تھا کہ :

﴿ ان اللہ تبارک وتعالی لم یدع شیئًا یحتاج الیہ الامۃ الا نزلہ فی کتابہ وبینہ لرسولہ ﴾ (۵)

خداوند عالم نے ہر شی جسکی امت کو ضرورت تھی قرآن کی شکل میں نازل کیا اور اپنے رسول کو بیان کر دیا ہے

غرضکہ نتیجہ کے طور پر کہہ سکتے ہیں کہ عالم امکان میں کوئی بھی عترت رسول سے مستغنی نہیں ہے جب کہ اہل بیت تمام مخلوقات سے بے نیاز ہیں۔ خصوصاً اجتہاد اور استنباط احکام شرعی بغیر عترت کے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن جو نص اول ہے اسکے یہ مفسر ہیں حدیث جو نص کی دوسری قسم ہے انھیں کی سیرت کا نام ہے۔ اور اجتہاد انھیں دو نص کی روشنی میں جزئی احکام کے حاصل کرنے کا نام ہے۔ ہاں کہیں کہیں موضوعات کی تشخیص مجتہد دیتا ہے جس کی بنیاد پر حکم تبدیل ہو جاتا ہے۔

مثال کے طور پہ زمانہ سابق میں کالا لباس پہننا منع تھا۔

﴿ لا تلبسوا السواد فانہ لباس فرعون (۶) لا تصل فی ثوب اسود (۷) لا یکفن المیت بالسواد (۸) لا یحرم فی الثوب الا سود ﴾ (۹)

کالا کپڑا نہ پہنو کیونکہ یہ فرعون کا لباس تھا، کالے لباس میں نماز نہ پڑھو، میت کو کالے لباس میں کفن نہ دو، کالے کپڑے سے احرام نہیں باندھا جاسکتا وغیرہ۔

لیکن آج وہ معیار و میزان باقی نہیں رہا، بلکہ آج کالا لباس مصیبت وعزاء کی نشانی ہے اور آل رسول پر ہوئے مظالم ان کی شہادت پر اظہار غم کے لیے کالا لباس پہننا جایز ہے۔ اگر آج بھی پہلے کی طرح حکم کا موضوع بدل جائے اور بے دین لوگ فرعونیوں کی طرح لوگوں کو منحرف کرنا چاہیں تو حکم پہلے کی طرح بدل جائے گا۔

....

۱) وسائل الشیعہ، ج۱۸ ۲) بحار الانوار۔ج ۲۹ ص۲۴ ص / شرح ابن ابی حدید ۔۱۰/۱۹/ نہج البلاغہ خ ۱۷۶ص ۱۸۲ ۳) شرح ابن ابی الحدید ۲۱۷/۹ ۴) اجتہاد زمان ومکان۔ مبانی فقہی حضرت امام خمینی ج ۲ ص ۱۴ تنظیم ونشر آثار امام خمینی ۵) اصول کافی ج ا ص۴۸ تصحیح : حسن زادہ آملی ۶) وسائل الشیعہ۔ ۳۸۳/۴/ ۷) ۳۸۷/ ۸) ۴۲/۳/ ۹) ۴۲/۳
۱۰) اجتہاد وزمان ومکان

انتخاب مرجعیت کس کی ذمہ داری

آیات وروایات سے استفادہ ہوتا ہے اوراس بات کو عقل بھی تسلیم کرتی ہے کہ لوگ اپنے سماجی ارتقا کے ساتھ آزادی ، عدالت اور دائمی قوانین چاہتے ہیں ، وہ دہشت گردی، ظلم، حق تلفی وغیرہ کی مخالفت کرتے ہیں ۔ بلکہ پوری نوع انسانیت ایک دائمی اصول اور پرامن وانصاف ماحول کی متلاشی ہے ۔لیکن سوال یہ ہے کہ انسان کی حیات جاودانی سے متعلق نظم وضبط ،ان کے مقدمات، قوانین کا اجراء کس طرح انجام پائے اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ ایسے سازگار ماحول کی بہرحال ضرورت ہے۔

۱) کیونکہ خداوند عالم نے تمام امور میں ہمیں حیوانوں کی طرح بغیر تکلیف کے نہیں چھوڑا ہے۔

۲) دوسری جانب یہود ونصاری کی سرپرستی وحاکمیت کا بھی انکار کیا ہے۔

۳) یہ بھی روشن ہے کہ عہد حاضر کی نوعیت دیگر زمانہ کے اعتبار سے جدا ہے۔

۴) یہ زمانہ غیبت کبریٰ کا زمانہ ہے۔جس میں غیبت صغریٰ کی مانند امام معصوم کے نائبین خاص (۱) عثمان بن سعید (۲) ابوجعفر محمد بن عثمان (۳) ابوالقاسم حسین بن روح۔

(۴) ابوالحسن بن محمد سمری بھی نہیں کہ جن کی پیروی کی جاسکے۔

۵) بلکہ وہ فقہاء اسلام بھی نہیں کہ جن کا تعارف خود امام معصوم نے کیا ہو کہ اپنی تکالیف میں زرارہ، محمد بن مسلم وغیرہ کی طرف رجوع کریں۔

۶) دوسری طرف قرآنی احکام ودستورات کو معطل بھی نہیں رکھا جاسکتا۔

۷) شریعت میں مختلف مقامات میں ایک پیشوا کی طرف رجوع کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ روزانہ کی نماز جیسی عبادت میں بھی جماعت اور امام جماعت کے لئے عدالت وفضیلت کی قید نیز تہذیب وثقافت کا دفاع وغیرہ یہ سارے احکامات کیا عبث ہیں؟ اگر عبث و بے فائدہ ہیں تو پھر قرآن کا ہمارے معاشرہ میں کیا فائدہ؟ کیا فقط طوطی کی طرح چند آیتوں کو ورد کرلیا جائے؟ اور یہ سارے قوانین اجراء کے قابل نہیں ہیں؟ ان تمام سوالات کے جواب کے لیے دنیا بھر کے مسلمانوں کا یہ فریضہ ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنی تکالیف کو مشخص ومعین کریں۔ اس مقام پر امام معصوم نے علماء وجامع الشرائط فقھا، کی پیروی کے لیے فرمایا ہے :

﴿ فانی قدجعلته علیکم حاکما ﴾

بلاشبہ ہم نے فقہاء کو تم پر حاکم بنایا ہے (۱)

﴿ مجاری الاموربیدالعلماء باللہ الامناء علی حلالہ وحرامہ ﴾

زمام حکومت ایسے علماء کے اختیار میں ہے جو حلال وحرام خدا کے امین ہیں (۲)

ایسے وقت میں جبکہ فقہاء مراجع مقدسات اسلامی اور شعائرالٰہی کی حفاظت ونگرانی کررہے ہوں تو لوگوں کا بھی وظیفہ ہے کہ فقہاء کی پیروی کریں۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فقہاء کی تقلید اوراس کے شرائط یوں بیان کئے ہیں :

﴿ واما من کان من الفقھاء صائناًلنفسہ حافظا لدینہ مطیعاً لامرمولاہ مخالفاً لھواہ فللعوام ان یقلدوہ ﴾ (۳)

فقہا میں جو اپنے نفس پر کنٹرول رکھتا ہو، دین کا محافظ ہو، صرف امر خدا کا مطیع ہو، اپنی خواہشات نفسانی کا مخالف ہو تو عوام پر لازم ہے کہ ایسے فقیہ کی تقلید کریں

اسکے علاوہ سکونی سے روایت ہے :

﴿ قال رسول الله (ص) الفقهاء امناء الرسول مالم يدخلوا فی الدنيا ،قيل : يارسول الله ومادخولهم فی الدنيا ؟ قال: اتباع السلطان ، فاذافعلو اذلك فاحذرواهم على دينكم ﴾ (۴)

حضرت رسول اکرم نے فرمایا ہے :

فقہاء رسولوں کے امین ہیں، جب تک کہ دنیا داری میں نہ پڑیں، لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ دنیا داری سے آپ کی کیا مراد ہے؟ فرمایا: بادشاہوں کی پیروی کرنا اور جب فقہا ایسا کرنے لگیں تو ان سے اپنے دین کے بارے میں ڈرو۔

یعنی ان کی پیروی نہ کرو اور جو فقہا شرایط پر کھرے اترتے ہیں ان کی مدح وثنا میں معصوم کا ارشاد ہے :

﴿ العلماء ورثة الانبياء ﴾ (۵)

علماء انبیاء کے وارث ہیں

بلکہ حضرت رسول اللہ نے انھیں اپنا خلیفہ کہا ہے اور ان کے لئے دعا کی ہے آپ فرماتے ہیں :

﴿ اللهم ارحم خلفائی ، قيل: يارسول الله ومن خلفاؤك ؟ قال، الذين ياتون من بعدی يروون حديثی وسنتی ﴾ (۶)

اے اللہ میرے خلفا پر رحم فرما، پوچھا گیا یارسول اللہ آپ کے خلیفہ کون ہیں؟ فرمایا:

جو میرے بعد آئیں گے اور میری حدیث اور میری سنت وسیرت بیان کریں گے

یہی وجہ ہے کہ شیعہ امامیہ کے یہاں صالح اور متقی مجتہد عنایات الٰہی کی بدولت غیر

ارادی طور پر معروف ہو جاتا ہے اور اکثریت اسکی تقلید کرتی ہے اور اس پر امام وقت کی نظر بھی ہوا کرتی ہے۔

....

۱) کافی ج ا ص ۴۷ ح ۱۰

۲) بحار ج ۹۷ ص ۸۰ ح ۳۷

۳) دائرۃ المعارف ج ۲۔ انتشارات امیر کبیر

۴) کافی ج ا ص ۴۶ ح ۵

۵) کافی ا ص ۳۲ ح ۲

۶) بحار۔ ج ۲ ص ۱۴۵

مرجعیت کا مقام

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالی نے انسان کی سیر تکاملی اور معنوی مدارج کے ارتقاء کی خاطر انبیاء ورسل اور ائمہ کو نمونہ بنا کر بھیجا۔ اور یہ بات بھی بدیہی ہے کہ شریعت کے اکثر احکام کا ربط انسان کے باطن سے ہوتا ہے۔ بلکہ جو ظاہری اعمال ہیں ان کی بازگشت بھی انسانی اعتقاد کی طرف ہوتی ہے۔ اعتقاد نہ ہو تو سارے اعمال بے سود و غیر مفید ہو جائیں گے۔ اور یہ بات بھی طے ہے کہ یہ اعتقاد و ایمان انسان کے علم و معرفت پر موقوف ہے ارشاد خداوندی ہے :

﴿ یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین او توا العلم درجات ﴾(۱)

تم میں جو صاحبان ایمان و صاحبان علم ہیں خدا ان کے درجات کو بلند کر دیتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ :

﴿ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل ﴾ (۲)

میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء جیسے ہیں

علم نور ہے اللہ جسکو چاہتا ہے اس کے سینے میں ودیعت کر دیتا ہے۔

علم کی وضاحت میں آیت اللہ حسن زادہ آملی یوں فرماتے ہیں۔ علم وہ نہیں ہے جو انسان کتابوں میں پڑھ لے یا استاد سے سیکھ لے بلکہ یہ سب حقیقی علم کے اسباب و علل ہیں جنھیں انسان بھول بھی سکتا ہے، ہم تو ایسے علم کے محتاج ہیں جو ہمیں اپنے ہمراہ کمال کی طرف

لے جائے۔ (۳) آگے فرماتے ہیں۔ عالم اور مالدار میں یہی فرق ہے کہ مالدار مرنے سے پہلے ہی مردہ ہے اور عالم مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔ ظاہراً اس کی وجہ یہ ہے کہ مالدار فقط مادیت پر بھروسہ کرتا ہے اور اسکا سارا ہم وغم مادیت سے وابستہ ہوتا ہے اور اپنے خیال کو مادیت سے جدا نہیں کر پاتا کہ کمال و معنویت تک پہنچ سکے۔ دوسری طرف مادیت اور معنویت دو متضاد چیزیں ہیں مادیت کا ظاہری طور پر روح سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن علم خود ایک نور اور روحانی کیفیت کا نام ہے، جسکا روح انسانی سے گہرا تعلق ہوتا ہے کسب و تحصیل علم سے ہمیشہ انسان کی روح اور قلبی قوت وطاقت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور اسکا رشتہ کمال مطلق سے بڑھتا جاتا ہے اسی وجہ سے موت آجانے پر بھی مادی سلسلہ اگرچہ منقطع ہوجاتا ہے لیکن روحانی تعلق باقی رہ جاتا ہے۔

قرآن وارشادات اہل بیتؑ دونوں معنوی ونورانی کیفیت کے حامل ہیں لہذا جو شخص جتنا ان کے نورانی کلمات سے مانوس ہوکر اپنے درک وفہم کے ذریعہ جتنی ممارست ومشق کرے گا اسے استنباط پر اس حد تک قدرت حاصل ہوگی اور احکام کی گہرائی وگیرائی تک پہنچے گا اور اس کا علم اسے قدم قدم پر سہارا دے گا اس طرح جب انسان اس بلند معیار ومدارج پر فائز ہوجاتا ہے تو وہ خدا کے علم کا مظہر بن جاتا ہے اور اسے اس قدر ملکہ حاصل ہوجاتا ہے کہ اس کا نطق منطقی اور بیان فلسفی ہوجاتا ہے۔ اور پھر دوسرے افراد اپنے مسائل میں ایسے عالم دین کی تقلید کرتے ہیں۔

مرجع تقلید زمانہ کا فقیہ ہوتا ہے اور فقیہ کا مرتبہ عام علماء سے بالاتر ہوتا ہے، کیونکہ ہر صاحب علم کو فقیہ نہیں کہتے۔

بلکہ فقیہ اُس کو کہتے ہیں کہ جو علم کی گہرائیوں تک پہونچا ہوا ہو۔

راغب اصفہانی : التفقه هوا لتوسُّل بعلم ظاهر الى علم باطن تفقہ یہ

ہے کہ انسان ظاہر علم سے باطن کو کشف و درک کرلے۔

اس طرح کہ جیسے آنکھوں سے دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔

دین جو روح اور جسم کا مرکب ہے۔ فقیہ کو دین کا پہچاننا فقط جسم کے پہچاننے پر موقوف نہیں ہے۔

بلکہ ضروری ہے کہ حقیقت روح سے بھی باخبر ہو۔

....

۱) سورہ مجادلہ ۱۱

۲) بحار انوار۔ ج ۱

۳) اخبار رسالت ۱۳۱ ردیبهشت ص۴ ۱۳۷۴/ ش

مراجع کرام اور تقلید

ہر عاقل شخص کسی ایسے کی پیروی قبول کرتا ہے جو مرتبہ میں بڑھا ہوا ہو، سوجھ لوجھ رکھنے والا ہو خصوصاً اسلام میں نص صریح موجود ہے، خلافت الھیہ کی بنیادی شرط بھی اعلم ہونا ہے بلکہ معصوم فرشتوں پر بھی اہل علم کو ترجیح اور فضیلت دی گئی ہے۔ لہذا اسلامی نقطہ نظر سے اس فقیہ کی تقلید قابل قبول ہے جو شریعت کے احکام کی پابندی کرتا ہو اور دینی مسائل پر تسلط ومہارت رکھتا ہو۔

مرجع تقلید :

شیعہ فقہاء کی اصطلاح میں جو شخص علم فقہ میں درجہ اجتہاد پر پہونچ جائے اور اپنے زمانہ کے تمام مجتہدین سے علم، زہد وتقویٰ وعدالت میں فوقیت رکھتا ہو نیز دیگر شرائط تقلید کا حامل ہو تو لوگ ایسے شخص کی طرف اپنے فقہی مسائل میں رجوع کرتے ہیں۔

تقلید سے علم اصول کی ایسی بحث کی طرف اشارہ ہے کہ جسمیں یہ گفتگو ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص مجتہد نہیں ہے اور احکام کو ان کی تفصیلی دلیلوں سے حاصل نہیں کر سکتا تو اسے چاہیے کہ دوسرے شخص کہ جسمیں یہ صفات پائے جاتے ہوں اسکی تقلید کرے۔ لفظ تقلید حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی اس حدیث سے ماٴخوذ ہے جسمیں آپ نے فرمایا

ہے :

﴿ من کان من الفقھاء ... ان یقلدوہ ﴾ (۱)

تقلید یعنی :

﴿ قبول قول الغیر بلاحجة ﴾

کسی کی بات کو بغیر دلیل کے قبول کر لینا۔ (۲)

تقلید یعنی :

﴿ العمل اعتقاداً علی رای الغیر ﴾

تقلید دوسرے کی رای پر اعتماد کرتے ہوئے عمل کرنا، (۳)

یا ائمہ معصومینؑ کا بعض راویوں کی طرف رجوع کا حکم دینا بھی دلالت کرتا ہے کہ ان کے فتاویٰ کی لوگ پیروی کریں یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ اگر معاشرہ کے سارے لوگ اجتہاد میں لگ جائیں تو بدنظمی اور خلل واقع ہوگا جس کا واحد حل یہ ہے کہ دینی مسائل جو بہت مبسوط و مجمل اور پیچیدہ ہیں جن کو سمجھنے کے لیے عمر کا ایک حصہ درکار ہے چند با صلاحیت افراد اس امر میں مشغول ہو جائیں کیونکہ عقل سلیم رکھنے والا کوئی شخص یہ پسند نہیں کرے گا کہ تمام لوگ یا پورا معاشرہ تحصیل اجتہاد میں لگ جائے بلکہ دینی اور علمی مسائل میں وہ فقہاء و مجتہدین جو ساری زندگی اجتہاد و استنباط میں گزار دیتے ہیں جو علم تفسیر، حدیث، فقہ، کلام و معرفت خداوندی میں زیادہ ماہر ہوا کرتے ہیں اور اجتہاد کے اعلیٰ مدارج طے کر لیتے ہیں تو عوام کے لیے لازم ہے کہ ایسے علماء و مجتہدین کی طرف رجوع کریں۔

﴿ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون ﴾ (۴)

سوال کی آیت سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے اس لیے کہ آیت میں خطاب عام ہے جو تمام افراد کو شامل ہے جن میں شرعی مسائل کے استنباط کرنے کی صلاحیت نہیں پائی جاتی

ہے تو ایسے افراد کو چاہیے کہ اسکو جاننے والوں سے دریافت کریں، لہذا تقلید اپنے سے زیادہ جاننے والوں کے برہان وحجت کو قبول اور اُس کی پیروی کرنا چاہیے۔

....

۱) دائرة المعارف فارسی۔ج ۲۔انتشارات امیرکبیر

۲) المستصفیٰ۔ج ۲۔ ص ۱۲۳

۳) مستمسک العروة الوثقی۔ج۱۔ ص ۸

۴) سوره نحل ۱۶۔۴۳، انبیاء۔۲۱۔۷

تقلید کا فطری ہونا

زندگی کے ہر شعبہ میں تقلیدی زندگی گزارنا انسان کی عادت بن چکی ہے۔ خاص طور سے اعمال و کردار کی دنیا میں ایک نمونہ (آئیڈیل) تلاش کرنا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ یہ بات اس وقت اور کھل کر سامنے آئی جب اہل سائنس نے تھیوری سے زیادہ پریکٹیکل کو اہمیت دی۔ اب یہ پریکٹیکل علمی میدانوں تک محدود نہ رہا بلکہ انسان کی ساری زندگی ہی تقلیدی بن چکی ہے اور دنیا کی بیشمار چیزیں ایک دوسرے کی تقلید ہی کی بدولت نکھرتی اور ترقی کرتی ہیں نئے اور موجودہ حالات کے اعتبار سے پیدا ہو جانے والے مسائل کے حل کا تلاش کرنا تقلید کی ہی پیداوار ہے۔ یہاں تک کہ جب انسان دنیا کی ظاہری چیزوں میں کوئی نمونہ نہیں پاتا تو تصوراتی دنیا میں خود ایک نمونہ بنا کر اس کے مطابق اپنی فکر کو عملی جامہ پہناتا ہے۔ اس مقصد کے تحت اللہ تبارک وتعالی نے کسی زمانہ کو انبیاء اور ائمہ سے خالی نہیں چھوڑا تا کہ ان کی اعلیٰ کردار اور بلند ترین اخلاقی مثالوں سے لوگ ہدایت پاتے رہیں اور ہر موڑ پر ان کی پیروی کرتے رہیں۔ اب چونکہ غیبت کبری کا زمانہ ہے اور براہ راست امام معصوم سے رابطہ نہیں رہا تو ایسے میں ہمیں چاہیے کہ ایسے فقہا کی تقلید کریں جو علوم اہل بیت سے سرشار ہیں اور اپنی ساری زندگی فقہ و اجتہاد میں گذار کر دینی مسائل کا حل کتاب وسنت سے حاصل کرتے ہیں۔